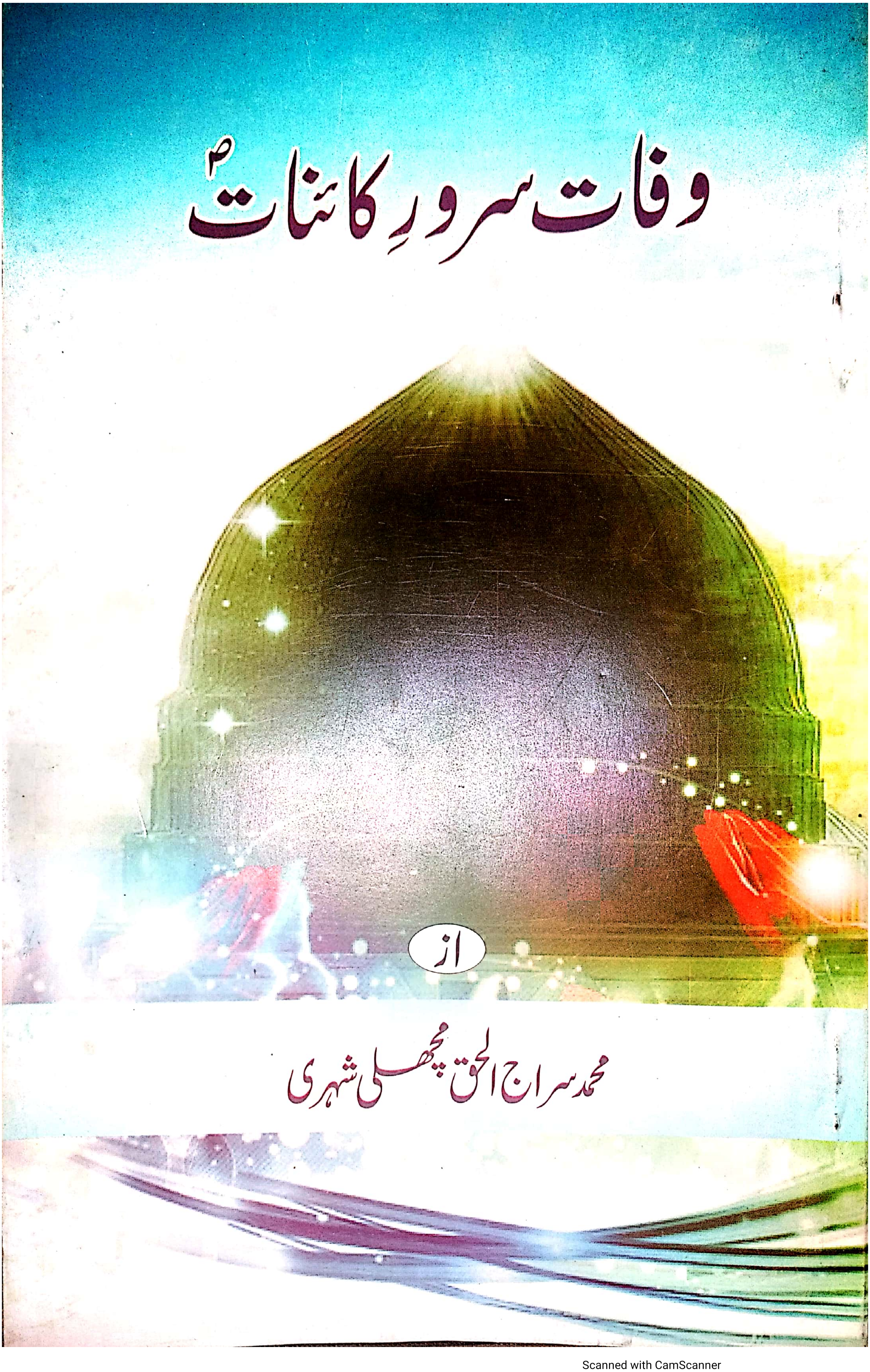
وفات سرورِ کائنات ؐ



از

محمد سراج الحق مچھلی شہری

وفات سرور کائنات ﷺ

از

محمد سراج الحق مچھلی شہری

ناشر

سمیع بکڈپو، شباب مارکیٹ، ندوہ روڈ، لکھنؤ

نام کتاب : وفات سرور کائنات ﷺ

مصنف : مولانا محمد سراج الحق مچھلی شہری

صفحات : ۷۲

طابع : نعمانی آفسیٹ پریس، بارود خانہ لکھنؤ

سن اشاعت : ۲۰۱۵ء

تعداد : ۵۰۰

ناشر : سمیع بکڈپو، شباب مارکیٹ، ندوہ روڈ، لکھنؤ

قیمت : -/70 روپئے

ملنے کے پتے

مکتبہ شباب، شباب مارکیٹ، لکھنؤ

الفرقان بکڈپو، 114/31 نظیر آباد، لکھنؤ

احسان بکڈپو، شباب مارکیٹ، لکھنؤ

دارین بکڈپو، شباب مارکیٹ، لکھنؤ

طوبہ بکڈپو، شباب مارکیٹ، لکھنؤ

مکتبہ لاری، شباب مارکیٹ، لکھنؤ

باسمہ سبحانہٗ

عرضِ مؤلف

(۱) تاریخ اسلام میں تین دور ایسے گذرے ہیں جن میں دشمنان دین نے بہت سے حقائق کو مسخ اوراق میں بہت سی دوررس تحریفات شامل کر دی ہیں۔ آج ۹۹ فیصد مسلمان اکثر حقائق تاریخیہ سے بے خبر اور مسخ شدہ تاریخ ہی پر قانع و مطمئن ہیں۔ میرے نزدیک جو مسلمان ،خاص کر عالم، ان تینوں ادوار کے وقائع کو جدل وتیقظ کی نظر سے نہ دیکھے گا اوران کا مطالعہ ابن تیمیہؒ حرانی اور عبدالشکورؒ فاروقی کاکوروی، رحمہما اللہ کے کارخانوں کی عینکوں سے نہ کرے گا وہ دشمنان دین کے ہاتھوں کا کھلونا بننے سے بچ نہیں سکتا۔ وہ ادوار یہ ہیں:

الف: حضورؐ کی علالت اور وفات کا دور استخلافِ صدیقؓ تک۔

ب: خلفات عثمانی کے آخری چھ سال (۳۰ھ) سے لے کر سانحۂ کربلا (۶۱ھ) تک۔

ج: ۷۵ھ سے ۱۵۰ھ تک امت کی ذہنی اور فکری تاریخ۔

(۲) رجب ۱۳۸۴ھ میں یکے بعد دیگرے تین چار آدمیوں نے مجھ سے یہ سوال کیا کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت آپؐ کے پاس کون کون سے صحابہؓ موجود تھے۔ مجھے جو کچھ معلوم تھا میں نے دو ایک آدمیوں کو زبانی بتادیا مگر جب پھر بھی کچھ آدمیوں نے یہی سوال کیا تو مجھے وجہ معلوم کرنے کی فکر ہوئی۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ کسی صاحب نے کسی صحابیؓ اور صحابیہؓ پر نعوذ باللہ کم فہمی اور حب دنیا کا فرسودہ اتہام دہرا کر اپنے نامۂ اعمال میں بدگوئی صحابہ کا اضافہ کیا ہے اسی استفسار کے سلسلہ میں بعض احباب نے بہ اصرار کہا کہ وفاتِ نبویؐ کے واقعات کو اگر تحقیق اور عمدہ ترتیب سے جمع کر دیا جائے تو بہتر ہو۔ میں نے بھی یہ سوچ کر تعمیل حکم احباب میں کوشش شروع کر دی کہ اسی بہانہ سیرت نبوی کے اس گوشہ کی کچھ خدمت مجھ ناکارہ سے بھی ہو جائے شاید آخرت میں اسی سے نجات حاصل ہو۔

میں نے اس رسالہ میں حضورؐ کی علالت اور وفات کے وقائع کو اس طرح جمع کیا کہ پہلے متعدد مصنفین کی کتابیں خود بغور پڑھیں ان میں جس کا قول زیادہ قوی اور راجح معلوم ہوا صرف انھیں وقائع کو تاریخ وار جمع کیا۔ عنوان میں تاریخ اور دن لکھ کر اس تاریخ کے حالات کو پہلے واقعہ کے عنوان سے لکھا ہے پھر تشریح کا عنوان دے کر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔

حضورؐ بقول مشہور تیرہ روز علیل رہے۔ میں نے اس تحریر میں یہ قول اختیار کیا ہے کہ آغاز مرض چارشنبہ ۲۹ رصفر ۱۱ھ اور وفات کی تاریخ دوشنبہ ۱۲ رربیع الاول ۱۱ھ تھی۔

آخر میں اہل علم اور ارباب قلم حضرات کی توجہ اس طرف موڑنا چاہتا ہوں کہ مذکورہ بالا تین ادوار تاریخی میں سے کسی ایک پر یا کسی کے کسی ایک گوشہ پر خود اپنی تحقیق از سرنو کر کے وقتاً فوقتاً کوئی رسالہ یا مقالہ سال میں ایک بار ضرور لکھ دیا کریں جس سے دشمنان صحابہؓ کے مفاسد اور مغالط کا سد باب ہوتا اور ان کے روز افزوں زہر کا تریاق بنتا رہے۔

وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ

ناکارہ

سراج الحق مچھلی شہری غفرلہٗ

حسن منزل۔ الہ آباد شعبان ۱۳۸۴ھ

☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لِلّٰہِ تَعَالیٰ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْم لِلصَّحَابَۃِ الْکِرَام لِلنَّفْسِ الدَّنِیَّۃِ
حَامِداً وَّشَاکِراً مُصَلِّیاً وَّمُسَلِّماً مَادِحاً وَّمُبَجِّلاً زَاجِراً وَّمُسْتَغْفِراً

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْمُتَعَالِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلیٰ مَنْ قَالَ: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَلِکُلِّ امْرِئٍ مَانَوٰی

یہ راقم عاجز محمد معروف بہ سراج الحق مچھلی شہری غفرلہٗ عرض کرتا ہے کہ یہ رسالہ مختصرہ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض اور وفات کے تیرہ دنوں کے اور خلافتِ ابوبکرؓ کے پہلے دو دنوں کے واقعات میں ایک تحقیقی مقالہ ہے جو مسلمانوں کو صحیح حالات سے باخبر کرنے کی نیت سے لکھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے مقبول و مفید بنائیں۔ آمین

روز اول چہار شنبہ

۲۹ر صفر ۱۱ھ مطابق ۲۷ر مئی ۶۳۲ء

واقعہ (۱): حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس روز، اپنے اصول عدل کے لحاظ سے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں شب باش تھے۔ (اصح السیر) نصف شب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے حکم سے قبرستان بقیع تشریف لے گئے گرمیوں کا موسم تھا۔ ایک خادم مویہبہ یا ابومویہبہ آپ کے ساتھ تھے وہاں آپ نے دیر تک شہدائے احد کے لئے دعائے مغفرت کی۔ (جسے حدیث میں صلوٰۃ کہا گیا ہے) جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے واپس ہوئے تو ذرا دیر تک کے لئے سیدہ عائشہؓ کی عیادت کو ان کے حجرے میں تشریف لے گئے۔ (کیونکہ وہ اس روز درد سر میں مبتلا تھیں) ناگاہ راستہ سے ہی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک میں بھی درد شروع ہوا۔ آپ اسی حالت میں سیدہ عائشہؓ کے یہاں پہنچے تو دیکھا کہ وہ درد کی شدت میں 'وارا ساہ' (ہائے سر پھٹا جا رہا ہے) کہہ کر کراہ رہی تھیں۔ حضور بھی اپنے درد سر کی وجہ سے 'وارا ساہ' کہنے لگے وہ سمجھی کہ حضور محض مزاح سے میری نقل

میں یہ لفظ کہہ رہے ہیں تو کہنے لگیں کہ ''میں تو مری جارہی ہوں'' (آپ مزاح فرمارہے ہیں) حضورؐ نے فرمایا ''اگر میرے سامنے ایسا ہوا (کہ تم مری) تو میں تمہارے لئے استغفار کروں گا۔ دعا کروں گا''۔ وہ کہنے لگیں۔ ''جی ہاں! آپ تو چاہتے ہی ہیں کہ میں مرجاؤں اور آپ میرے بستر پر کسی دوسری بی بی کے ساتھ شب باشی کریں''۔ حضورؐ یہ سن کر مسکرا دیئے پھر فرمایا ''میرا ارادہ ہوا تھا کہ میں ابوبکرؓ (تمہارے باپ) کو اور عبدالرحمان (تمہارے بھائی) کو بلا بھیجوں (اور اپنے بعد ولایت عہد کی وصیت) لکھوا دوں تا کہ (میرے بعد) کہیں کوئی کہنے والا کہنے نہ لگے اور کہیں کوئی تمنا کرنے والا تمنا نہ کرنے لگے۔ پھر میں نے کہا کہ ابوبکرؓ کے سوا (دوسرے سے) خود اللہ تعالیٰ بھی انکار فرمائیں گے اور مسلمان بھی نہ مانیں گے۔ (بخاری شریف کتاب المرضاص ۸۴۶ واصح السیر ص ۵۵۳)

(اس کے بعد حضورؐ پھر اپنی خواب گاہ حجرہ سیدہ میمونہؓ میں تشریف لے گئے مرضِ وفات شروع ہو گیا تھا جس سے بخار چڑھ آیا)۔

تشریح:۔ اگرچہ ازواج میں باری باندھنا حضورؐ پر فرض نہ تھا مگر حضورؐ طبعاً وعادتاً اتنے انصاف پسند، اتنے رحم دل لوگوں کی اتنی رعایت کرنے والے تھے کہ پھر بھی ازواج میں عدل فرماتے اور باری باندھتے تھے۔ (۲) حضورؐ کا مرض وفات دردِ سر خدا کے حکم سے تھا اور اسی شب سے شروع ہوا۔ امر مقدر یوں ہی تھا مگر مرض وفات دردِ سر ہی کیوں ہوا اس کی دیگر توجیہات کے ساتھ ایک توجیہ یہ بھی کی جاسکتی ہے کہ حضورؐ کو سیدہ عائشہؓ سے بہت محبت تھی۔ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں۔ ''فلقد كان عليه الصلاة والسلام يحب عائشة حُبًّا شديدًا حتى لايكاديصبر عنها''۔ (حضورؐ سیدہ عائشہ سے بہت زیادہ محبت فرماتے تھے یہاں تک کہ ان کے دیکھے بغیر آپ کو چین نہ آتا تھا) تو حضورؐ کا یہ دردِ سر بھی ممکن ہے کہ۔ ع

''خون رگِ مجنوں سے ٹپکا قصد لیلیٰ نے جو لی''

کے قبیل سے ہو۔ (۳) حضورؐ نے ان سے اپنے دردِ سر کا جوذکر فرمایا تو مطلب یہ تھا کہ اے عائشہؓ! تم تو اس مرض سے اچھی بھی ہو جاؤ گی مگر ادھر آؤ میری طرف توجہ کرو کیونکہ میرا دردِ سر، میرا مرض وفات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت آپؐ نے وصیت فرمانے اور کسی

کو اپنا وصی اور ولی عہد بنا دینے کے ارادہ تک کا اظہار بھی فرما دیا۔ (۴) آپؐ نے ولی عہد بنانے کے ارادہ کے سلسلہ میں جو دو لفظ (کوئی تمنا نہ کرنے لگے اور کوئی کہہ نہ بیٹھے) فرمائے تو حالات کی اہمیت اور ان الفاظ کی خود معنویت کچھ ایسا اشارہ کر رہی ہے جیسے حضورؐ کے قلبِ مصفا پر کوئی خاص امر منعکس اور مکشوف سا ہوا ہو کہ ''میرے بعد کوئی ایسے دو آدمی خلافت کی فکریں کرنے لگیں گے جن کے لئے تقدیر الٰہی نہیں ہے۔'' خیر یہ کشف والی بات تو میرا قیاس ہے نقل صحیح اس کی تائید نہیں کرتی مگر عقل سلیم کا تو یہ ایک عام تجربہ ہے اور مشاہدہ ہے کہ ہر صاحبِ حیثیت صاحب اقتدار آدمی اپنے بعد کا بھی کوئی انتظام بعض وقت سوچتا اور بعض قرائن مقام پر غور کرتا ہے تو اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے ارد گرد کے حالات پر غور فرمایا ہو تو یہ کچھ بعید نہیں۔ اس پر غور کرنا تعجب خیز نہیں۔ بلکہ اگر غور نہ فرماتے تو تعجب کی بات تھی۔ یہ بالکل سامنے کی بات ہے کہ حضورؐ نے سوچا ہو کہ کہیں انصار مدینہ میرے بعد اس طرز پر نہ سوچنے لگیں کہ مدینہ میں ہجرت رسولؐ سے قبل تو حاکم ہمیں لوگ تھے۔ ہم نے صرف خاتم النبیین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں اطاعت قبول کر لی اور مدینہ کی سرداری حضورؐ کے سپرد کر دی تھی۔ اب چونکہ حضورؐ کو سفرِ آخرت پیش آ رہا ہے اور کتاب وسنت میں ولایتِ عہد کا کوئی واضح مخصوص حکم ہے نہیں اس لئے قدرۃً اور عقلاً حکومت اور سرداری پھر ہم میں واپس آ جانی چاہئے۔ پھر حضورؐ نے اپنے خاندان کے سلسلہ میں سوچا ہو کہ ولی عہدی کا قانون (کیا عرب کیا عجم) ساری دنیا میں تو یہی رائج ہے کہ ایک صاحب اقتدار کے بعد اسی کے خاندان کے لوگ (بڑا لڑکا چھوٹا بھائی، اور یہ نہ ہوئے تو لڑکی داماد) جانشینی کے خود بھی متوقع رہتے ہیں اور منتظم لوگ بھی ایسا عملدرآمد کرتے ہیں خواہ ان میں اس کی اہلیت نہ ہو اس لئے کہیں رواج عام کے مطابق میرے گھرانے والے بھی میری جانشینی کی توقع نہ کرنے لگیں۔ اس کے ساتھ ہی حضورؐ کو اس کا علم یا احتمال بھی رہا ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ اسلام کے ذریعہ دنیا کے ہر رواجِ خام کی اصلاح فرمانا چاہتے ہیں اسی طرح میری جانشینی میں بھی اہلیت کو معیار بنانا چاہتے ہیں نہ کہ رشتہ داری کو۔

غرض کچھ بعید نہیں اگر حضورؐ کے ذہن مبارک میں بھی یہی دو عقلی امکانات آئے ہوں

پس آپ نے امت کی صلاحیت اجتہاد پر اعتماد کر کے تو تحریر لکھانے کا ارادہ ملتوی فرمایا اور کسی کو نامزد کرنے کے بجائے مستحق خلافت کی طرف یہ کہہ کر ایک اشارہ فرمادیا کہ "ابوبکرؓ کے سوا خدا تعالیٰ کسی دوسرے پر راضی نہ ہوں گے"۔ اسی کے ساتھ امت کی صلاحیت اتحاد اور جمہوریت پسندی کی طرف بھی یہ فرما کر اشارہ فرمادیا کہ یہ مسلمان ابوبکرؓ کے سوا کسی دوسرے پر راضی اور متفق نہ ہوں گے۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں جس کے راوی خود سیدنا علیؓ ہیں صلاحیت وعدم صلاحیت خلافت کا یہ اشارہ زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ حضورؐ سے پوچھا گیا کہ ہم آپ کے بعد (بلافصل) خلیفہ وامیر کس کو بنائیں؟ تو آپؐ نے سب سے پہلے ابوبکرؓ کا نام لیا ان کی صلاحیتیں ارشاد فرمائیں۔ ان کے بعد عمرؓ کا نام لیا۔ ان کے بعد اگرچہ علیؓ کا نام بھی لیا اور ان کی صلاحیتیں بھی بیان فرمائیں مگر ساتھ یہ یہ بھی فرمادیا کہ مجھے تم لوگوں کی صلاحیت اجتہاد کو دیکھ کر یقین ہے کہ تم ابوبکرؓ یا عمرؓ جیسے اعلیٰ صلاحیتوں کے افراد کے ہوتے ہوئے علیؓ کو خود ہی میرا خلیفہ بلافصل نہ بناؤ گے اور امارت المسلمین جیسی اہم امانت زیادہ اہل و مستحق کو دینے کی بجائے محض میرے خاندان کی وجہ سے علیؓ کو نہ دے دو گے۔ (۵) بخاری شریف کی حدیث واقعہ ہذا پھر بغور پڑھیے اور یہ چند باتیں ذہن میں خوب مستحضر رکھیے۔

(الف) حضورؐ نے اگرچہ تحریر لکھانے کا خیال ظاہر فرمایا تھا مگر یہ ثبات ہوش و درستی عقل خود ہی اس کو ملتوی بھی فرمادیا۔ معلوم ہو کہ منشاء نبوی بلکہ منشاء خداوندی تحریر کے نہ لکھانے ہی کا تھا۔

(ب) حضورؐ نے خلیفہ کے پسند اور ناپسند کرنے کو مسلمانوں کے اجماع پر محمول کرنے کا اشارہ فرمایا۔

(ج) آخر میں یہ فرما کر کہ میں نے تحریر اس اعتماد پر ملتوی کردی کہ ابوبکرؓ کے سوا کسی دوسرے پر نہ اللہ تعالیٰ راضی ہوں گے نہ مسلمان۔ یہ ظاہر فرمادیا۔ کہ اگر وہ تحریر لکھی جاتی تو ابوبکرؓ کی خلافت ہی کے متعلق ہوتی تا کہ اس کے ہوتے کسی کو کچھ کہنے کا موقع نہ ملے۔ یہ بات حضورؐ نے صراحتاً نہیں بلکہ اشارۃً فرمائی۔ (٦) حضورؐ نے تحریر لکھانے کا ارادہ جو اس تاریخ میں زنان خانہ میں سیدہ عائشہؓ سے ظاہر فرمایا، دراصل واقعہ قرطاس اور اشارہ

وصیت یہیں سے شروع ہوتا ہے۔اس لئے آگے چل کر اگر پھر کہیں حضورؐ کے تحریر لکھانے کا ذکر آئے گا تو سو فیصدی واضح قرینہ یہی ہے اور یہی ہونا چاہئے کہ اس تحریر میں بھی ابوبکرؓ ہی کی خلافت لکھانے کا ارادہ ہوگا اور انھیں کے بارہ میں وصیت رسولؐ کا ہونا سمجھا جائے گا جب تک کہ ایک سو ایک فیصدی واضح قرینہ اس کے خلاف نہ ہو۔(۷) دشمنان دین کے شور وغوغا کا رعب یا ان کی دروغ بافی کا کمال دیکھو کہ اگر چہ اس واقعہ میں نیز واقعہ میں حضورؐ کی صریح وصیتیں حضرت ابوبکرؓ کے حق میں ہو جو اور ثابت ہیں جو سیدنا علی وعباس وغیرہم کے لئے سرے سے نہیں مگر غیر تو غیر خود سنی بھی وصی رسول اگر کبھی کہیں گے تو حضرت علیؓ ہی کو کہیں گے ابوبکرؓ کو نہ کہیں گے۔اور اگر کوئی انصاف پسند اہل علم ابوبکرؓ کے حق میں وصیتیں دیکھ کر ان کو وصی رسول لکھ دے گا تو یہ اس پر اعتراض بھی کر دیں گے۔گویا انھوں نے بھی وصیت اور وصی کے الفاظ کو صرف حضرت علیؓ کے لئے مخصوص سمجھ لیا ہے۔

روزِ دوم تا روزِ پنجم پنجشنبہ تا یکشنبہ

یکم ربیع الاول تا ۴ ربیع الاول مطابق ۲۸ مئی تا ۳۱ مئی ۶۳۲ء

واقعہ: (۲) حضورؐ پنجشنبہ سے یکشنبہ تک برابر ہر زوجۂ مطہرہ کا حق شرعی ادا فرماتے رہے۔جن بی بی کی باری جس روز ہوتی آپ وہیں شب باش ہوتے بخار اور درد سر کی تکلیف بڑھتی رہی۔آپ ہر روز یہ دریافت فرماتے رہتے کہ میں کل کہاں رہوں گا۔پرسوں میری باری کہاں ہے۔''اس سے ازواجؓ نے سمجھا کہ حضور کو سیدہ عائشہؓ کی باری کا انتظار ہے۔اس کے علاوہ (سیدہ فاطمہؓ کے ذریعہ خود حضورؐ نے بھی ازواج سے اس کی اجازت چاہی کہ بقیہ ایام مرض میں حجرۂ عائشہؓ میں قیام فرمائیں (بخاری ص ۶۳۷) بہر حال جملہ ازواج نے اپنی خوشی کو حضورؐ کی راحت پر قربان کر کے بالاتفاق اور بخوشی حجرۂ عائشہؓ میں مستقل قیام کی اجازت دے دی۔یہ سن کر آپؐ کا چہرۂ مبارک مسرت سے دمکنے لگا۔

تشریح: (۱) یہ توضیح ہے کہ حضور کو سیدہ عائشہؓ کی طرف ان کی اعلیٰ روحانی صلاحیتوں کے

باعث نیز ان کے کنواری ہونے کے باعث طبعی طور پر میلان قلبی زیادہ تھا لیکن حضورؐ کو ان کی باری کا یہ انتظار کچھ ان کی وجہ سے نہ تھا بلکہ آپ چونکہ اول المومنین اور سید المومنین تھے اور مومنین کا مقام ''اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہ'' ۔ ہے اس میں آپ تمام انبیاء ملائکہ سے بھی بہت آگے بڑھے ہوئے تھے اور جب آپ کے ادنیٰ خدام عرفا کو بھی محبوب حقیقی کی ملاقات کا اشتیاق ایسا ایسا رہا ہے کہ وہ موت کے انتظار میں یوں زمزمہ سرا ہو گئے کہ:

خوشتر آں روز کزیں منزل ویراں بروم
راحتِ جاں طلبم وزپئے جانان بروم

تو حضورؐ کا مقام تو ان سے کہیں اعلیٰ تھا کہ آپ خدا سے دعا میں ''لَذَّۃَ النَّظَرِ اِلیٰ وَجْھِكَ وَالشَّوقَ اِلیٰ لِقَاءِ كَ ۔ کا سوال فرماتے تھے آپ کو وحی سے معلوم ہو چکا ہوگا کہ ''مجھے رفیق اعلیٰ'' کی رفاقت اور بقاء رب کی دولت بیت عائشہؓ ہی میں ملنے والی ہے ۔ پس حضورؐ کو سیدہ عائشہ کی باری کا شدید انتظار دراصل اس لئے تھا کہ آپ کو لقاء رب کا شدید اشتیاق تھا جس کے سامنے حضرت عائشہؓ کا خیال کوئی حقیقت نہیں رکھتا تھا نیز اس لئے تھا کہ آپ کے جسد اطہر کا خمیر سیدہ عائشہ ہی کے حجرہ کی تربت پاک سے تھا اس لئے آپ کو ان کی باری کا انتظار دراصل ''خمیر کی کشش'' تھی ۔ (۴) ازواج مطہرات کی یہ اجازت دنیائے محبت کا وہ عجیب معاملہ ہے جس کی دلکش تعبیر علامہ اقبال نے یوں کی ہے:

صدمۂ ہجر میں کیا لطف ہے اللہ اللہ یہ بھی اک ناز ہے تیرا نہ اٹھاؤں کیوں کر؟

یا پھر عالمِ ملکوت کا وہ حیرت افزا جذبہ ہے جس کی تعبیر احقر نے کی ہے:

ہو سنا کی تھی جس کو عشق سمجھے تھے سراجؔ اب تک یہاں رنجش تو جائز ہی نہیں جمع رقیباں میں

(۳) جس حجرہ کی مٹی سے حضورؐ اور ابوبکرؓ کا خمیر تھا حسن اتفاق کے علاوہ سیدہ عائشہ کو وہی حجرہ اس لئے ملا تھا کہ ان کا خمیر کو بھی حضورؐ کی طینت پاک سے بہت مناسبت تھی ۔ (۴) بیوت رسول میں حضورؐ کے ساتھ یا تو حضورؐ کی ازواج رہی ہیں یا چودہ سو برس سے ابوبکرؓ و عمرؓ حضورؐ کے ساتھ رہتے ہیں ۔ معلوم ہوا کہ اہل بیت یا تو ازواج رسول امہات المومنینؓ ہیں یا ابوبکرؓ و عمرؓ ۔

روز ششم دوشنبہ

۵ربیع الاول ۱۱ھ مطابق یکم جون ۶۳۲ء

واقعہ (۳) حضور اکرم ﷺ دو حضرات (فضل وعلی رضی اللہ عنہما) کے کاندھوں پر سہارا دیتے ہوئے آہستہ آہستہ بیت عائشہؓ میں تشریف لائے۔ بخار تیز تھا۔ سیدہ عائشہؓ نے حال دریافت کیا تو آپ نے فرمایا۔ بکری کے گوشت کا وہ زہر ملا لقمہ جو میں نے خیبر میں (۶۰ھ) میں کھایا تھا اس کا کچھ نہ کچھ اثر تو میں اب تک بھی برابر محسوس کرتا رہا تھا مگر اب تو اس کے اثر سے میری رگِ ابہر (رگِ جاں) ہی کٹ گئی ہے۔ (بخاری باب مرض النبی ووفاتہ ج ۲ ص ۶۳۷)

تشریح: (۱) اَصَحّ الکتب بعد القرآن کی اس روایت میں حضورؐ صاف وضاحت فرما رہے ہیں کہ میری موت، شہادت ہے اور شہادت بھی فی سبیل اللہ (جو شہادت کی تیرہ قسموں میں سب سے اعلیٰ ہے۔ اس وجہ سے کہ ایک دشمن اسلام یہودی نے محض اسلام دشمنی میں حضورؐ کو زہر دیا تھا۔ سلام بن مشکم یہودی کی بیوی زینب نے حضورؐ کی اور چند صحابہؓ کی دعوت کر کے بکری کے گوشت میں زہر کھلانا چاہا تھا۔ حضرت بشر ابن براء تو وہی گوشت کھا کر شہید ہوگئے تھے۔ (انھیں کے قصاص میں حضورؐ نے زینب کو قتل کرا دیا تھا) مگر ایسی صراحت کے بعد بھی کمال ہے دشمنان دین کا اور اس سے بھی بڑھ کر کمال ہے اُن سُنی مسلمانوں کا جو جناب رسول اللہ ﷺ کے لئے حضرات حسنینؓ کے طفیل کی فرضی شہادت تو ماننے کو تیار ہیں جو کتاب سر الشہادتین میں درج ہے مگر نہ ان کو بخاری کی اس روایت کی خبر ہے اور نہ وہ اس کے ماننے کے لئے آمادہ ہیں۔ (۲) کتاب سرُّ الشہادتین کو کہا جاتا ہے کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی کتاب ہے حالانکہ یہ محض افترا ہے۔ ذیل کے قرائن سے صاف اندازہ ہوتا ہے، کہ کسی دشمن دین نے یہ کتاب خود لکھ کر شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے نام سے منسوب کردی ہے اس نے اس کو کچھ عرصہ تو چھپائے رکھا ہوگا پھر پبلک میں اس کا چرچا کیا ہوگا۔ قرائن یہ ہیں۔

(الف) شاہ عبدالعزیز صاحب ایک جلیل القدر محدث ہیں وہ بخاری کا برابر درس دیا کرتے تھے۔ محال ہے کہ وہ بخاری کی اس حدیث کو بھول جائیں۔

(ب) یہ بھی محال ہے کہ وہ بخاری کی اس روایت کے مقابلہ میں اپنی رائے کو مقدم کریں۔

(ج) اس کتاب میں یہ نکتہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت حسنؓ حضورؐ کے اوپر کے آدھے دھڑ میں مشابہ تھے اور حضرت حسینؓ حضورؐ کے نیچے کے آدھے دھڑ میں مشابہ تھے تو چونکہ (بقول مشہور) حضرت حسنؓ زہر سے اور حضرت حسینؓ تلوار سے شہید ہوئے تھے اور ادھر دونوں مل کر حضورؐ کے پورے جسم کے مشابہ تھے اس لئے ان دونوں کی شہادت مل کر گویا خود آنحضرتؐ کی شہادت کے برابر ہوئی۔

(د) نیچے کے آدھے دھڑ کی مشابہت کے متعلق اگرچہ ایک روایت ہمارے یہاں بھی ہے۔ مگر اللہ مجھے معاف کرے میں یہ مشابہت سمجھنے سے قاصر ہوں۔ یہ تو معنی اور مضمون کے لحاظ سے عرض کیا گیا اور روایۃ اس میں خدشہ یہ ہے کہ سیدنا حسنؓ کی مشابہت کی روایت تو بخاری اور ترمذی دونوں نے روایت کی ہے اور ترمذی نے اس کو حدیث حسن صحیح کہا ہے لیکن دوسری روایت جس میں حضرت حسینؓ کی مشابہت کا ذکر ہے اس کو صرف ترمذی نے روایت کیا اور حسن غریب کہا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حسنؓ کی مشابہت چہرہ کی حدیث تو اصل اور صحیح ہے اس میں کسی راوی نے حضرت حسینؓ کی مشابہت زیریں کا بھی اضافہ کر دیا۔ اسی وجہ سے اس میں غرابت پیدا ہو گئی ہے۔

ہر حال یہ نکتہ کسی احمق یا کسی دشمن بدنیت ہی کی سمجھ میں آ سکتا ہو گا کہ دونوں کی شہادتیں مل کر حضور کی شہادت کے برابر ہو گئیں۔ اول تو سیدنا حسنؓ کے متعلق تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ وہ طبعی موت سے اپنے بستر[1] پر مرے ہیں۔ دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ ان کی بیوی جعدہ بنت اشعث نے سوتوں کی جلن میں ان کو زہر دیا ہے۔ بہر حال ان کی شہادت اول تو یقینی نہیں دوسرے اگر شہادت تھی بھی تو فی سبیل اللہ نہ تھی۔ اس کے علاوہ لطف کی

---

[1] ابن خلدون لکھتے ہیں.................. فلم نزل مقیماً بلمدینه الی ان هلك سنة تسمع واربعین (وقال ابو الفرج الاصبهانی سنة احدی و خمسین) علی فراشه۔ وما ینقل ان معاویة دسّ الیه السم مع زوجته...... فهو من احادیث الشیعة.... الخ (ج ۲ صفحہ ۱۸۲)

بات یہ ہے کہ حضرت حسنؓ کا تو زہر سے شہید ہونا لوگ تسلیم کر سکتے ہیں مگر حضورؐ کا زہر سے شہید ہونا تسلیم نہیں کر سکتے۔ یعنی حضورؐ کو خود جو زہر دیا گیا اس سے تو حضورؐ شہید نہیں ہو سکے۔ مگر حضرت حسنؓ کو جو زہر دیا گیا اس سے حضرت حسنؓ ایسے شہید ہو گئے کہ جب انھوں نے اپنی شہادت میں سے ایک شکمی شہادت حضورؐ کو دے دی تب جا کر حضورؐ کو شہادت ملی۔ انّا للہ وَلا حول و لاقوۃ الّا باللہ۔

اب سیدنا حضرت حسینؓ کی شہادت لیجئے وہ بھی فی سبیل اللہ نہ تھی ان کے حریف مسلمان تھے اور معاملہ بھی حکومت سے مقابلہ کا اور حکومت طلبی کا تھا اور جنگ بھی قتال فتنہ اور قتال فجارۃ کی تھی۔ (۳) دربارِ حق میں مناصب جلیلیہ چار ہیں۔ نبوت، صدیقیت، شہادت، صالحیت، اب جو شخص اول درجہ یعنی نبوت پر فائز کر دیا گیا ہو اس کے لئے اول تو شہادت کوئی فضلیت نہیں کہ اس کے لئے اتنی تاویلات کے پاپڑ بیلے جائیں اور اگر اتفاقات زمانہ سے کسی نبی کو شہادت کا درجہ بھی مل جائے (مگر تاویل سے نہیں صراحت سے، اور طفیلی نہیں ذاتی) تو البتہ وہ یقیناً فضلیت کی چیز ہے اب حدیث مذکور بتاتی ہے کہ حضورؐ کو حق تعالیٰ نے ذاتی ہی طور پر یہ شرف عطا فرمایا تھا۔ پھر طفیلی شہادت ثابت کرنے کی ضرورت؟ (۴) اگر خدانخواستہ حضورؐ کا وصال اس زہریلے گوشت کھانے سے فوراً یا اس کے کچھ بعد ہو جاتا تو البتہ اس کا احتمال اور ایہام ہو سکتا تھا (جیسا کہ شر الشہادتین میں ہے) کہ نعوذ باللہ کفار کو حضورؐ پر غلبہ حاصل ہو گیا۔ ان کو مسلمانوں پر ہنسنے کا موقع ملتا اور دین کی اشاعت اچانک رک جاتی لیکن جب حضورؐ اس گوشت کے کھانے کے بعد مسلسل چار پانچ سال بظاہر اچھے رہے (گو بیچ بیچ میں کچھ خلش محسوس فرماتے تھے) اور اس اثنا میں آپ نے بہترین تبلیغ اسلام فرمائی۔ اشاعت احکام سرگرم رہے مکہ فتح کیا ملوک کو وفود فرامین بھیجے تو اب نہ یہود کی شماتت کا اندیشہ تھا نہ اشاعت دین کے رکنے کا احتمال تھا۔ پھر اگر براہ راست حضورؐ ہی کو شہادت[1] مل رہی ہے تو اس کے اظہار یا قبول میں تامل کیوں ہو؟ اور تاویل یارد کر کے حسنینؓ کے طفیل میں شہادت اور وہ بھی ادنیٰ درجہ کی شہادت حضورؐ کے لئے ثابت کرنے کی کیا حاجت ہے؟

---

[1] ابوبکرؓ کو بھی سانپ کے کاٹنے اور خیبر میں زہر ملا لقمہ کھانے سے شہادت ملی ہے۔ (مشکوٰۃ)

روز ہفتم سہ شنبہ و چہار شنبہ

۶ و ۷ ربیع الاول ۱۱ھ مطابق ۲ و ۳ مئی ۶۳۲ء

واقعہ (۴) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم کو ہمارے حبیب ہمارے نبی ﷺ نے اپنی وفات سے چھ روز قبل اپنی وفات کی اطلاع دی۔ ہمیں حجرۂ عائشہ میں جمع کیا۔ ہمیں دیکھ کر آپ کی آنکھیں نم ہوگئیں۔ پھر فرمایا:

''تم سب کو مرحبا۔ اللہ تم سب کو زندہ رکھے۔ تمھاری حفاظت کرے تمھیں اچھا ٹھکانا دے۔ تمھاری مدد کرے تمھیں سیدھی راہ چلائے۔ تمھیں رزق دے تمھیں نیکیوں کی توفیق دے۔ تم سب کو سلامت رکھے (یہ نو دعائیں دینے کے بعد فرمایا) میں تم کو تاکیدی نصیحت کرتا ہوں کہ خدا کا خوف برابر رکھنا۔ میں اللہ تعالیٰ سے تمھاری سفارش کرتا ہوں اور اسے تم پر نگراں بناتا ہوں۔ دیکھو میں تمھیں صاف صاف ڈرائے دیتا ہوں کہ اللہ کے ملک میں اور اس کے بندوں میں اللہ کے مقابلہ میں سرکشی نہ کرنا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے بھی اور تم سے بھی یہ وعدہ کیا ہے کہ ''ہم دار آخرت (کی عزت) ان لوگوں کے حصہ میں لکھیں گے جو زمین میں غرور اور سرکشی نہ کریں اور فساد نہ پھیلائیں اور انجام کی کامیابی انھیں کو ہوگی جو اللہ کا ڈر دل میں رکھیں۔'' دوسری جگہ فرمایا ''بتاؤ کیا جہنم میں ایسے متکبروں کا ٹھکانا نہیں ہوگا؟ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا۔ میرا وقت مقررہ آپہنچا اب میری واپسی اللہ تعالیٰ کی طرف سدرۃ المنتہیٰ کی طرف جنت الماویٰ اور چھلکتے پیالوں کی طرف اور رفیق اعلیٰ کی طرف ہونے والی ہے۔ ہم نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ کو غسل کون دے؟ فرمایا میرے گھرانہ کے لوگ دیں۔ پہلے زیادہ قریبی عزیز پھر ان کے بعد جو ہوں۔ ہم نے پوچھا آپ کو کفن کس چیز کا دیں؟ فرمایا اگر تم چاہو تو میرے انھیں کپڑوں میں۔ ورنہ یمن کی دو چادروں یا مصر کے سحولی سفید کپڑوں میں کفن دینا۔ ہم نے پوچھا آپ پر نماز کون پڑھائے؟ یہ کہہ کر ہم روئے، حضورؐ بھی روئے پھر فرمایا رونا بند کرو اللہ تمھیں بخشے اور تم کو تمھارے نبی کی طرف سے جزاء خیر دے۔ جب تم مجھے نہلا چکو تو مجھے میرے حجرہ

میں میری قبر کے سارے چارپائی پر رکھ کر کچھ دیر کو میرے پاس سے سب لوگ ہٹ جانا کیونکہ مجھ پر سب سے پہلے میرے دوست اور ساتھی جبرئیل پھر میکائیلؑ پھر اسرافیلؑ پھر ملک الموتؑ مع اپنے لشکروں کے۔ پھر بقیہ فرشتے نماز پڑھیں گے۔ پھر تم لوگ دو دو چار چار کر کے میرے پاس آنا اور مجھ پر صلوٰۃ وسلام (نماز جنازہ جس میں دعا سے پہلے ثنا و درود ہوتا ہے) پڑھنا مگر دیکھو کسی رونے چلانے اور شور مچانے والی کو بلا کر مجھے ایذا نہ پہنچانا۔ اس کے بعد مجھ پر میرے گھرانہ کے (رشتہ دار) لوگ نماز پڑھیں پھر تم لوگ نماز پڑھنا۔ میرا اسلام اپنے مسلمان بھائیوں سے کہنا اور ان سے بھی جو موجود نہیں ہیں اور ان سے بھی کہنا جو میرے بعد دین میں داخل ہوں۔ دیکھو گواہ رہنا میں انھیں بھی سلام کہہ رہا ہوں جو اس وقت یہاں موجود نہیں ہیں اور انھیں بھی جو قیامت تک دین میں میری پیروی کریں۔'' ہم نے پوچھا یارسول اللہ! آپ کو قبر میں کون اتارے؟ فرمایا میرے رشتہ دار اور ان کے ساتھ فرشتے جو تمہیں دیکھتے ہوں گے مگر تم ان کو نہ دیکھتے ہو گے!''۔

(جمع الفوائد باب وفات النبی بحوالہ بزار واوسط)

تشریح:۔ (۱) شبہ ہو سکتا ہے کہ جب حضورؐ نے اس ارشاد میں اپنے دفن اور غسل کے لئے اکثر ہدایات فرمادیں تھیں تو پھر وفاتِ نبی صحابہؓ نے ان امور میں بحث واختلاف کیوں کیا؟ جواب یہ ہے کہ اس روایت کے وقت ممکن ہے ایسے چند آدمی رہے ہوں جو کسی وجہ سے ان بحثوں اور مشوروں کے وقت موجود نہ رہ سکے ہوں اس لئے منتظم صحابہؓ میں یہ ارشادات معلوم نہ ہونے کے بحث ہونے لگی ہو (۲) حضورؐ کا خود حکم ہی یہ تھا کہ میرے انتقال کے بعد میرے دفن میں اتنی دیر کرنا کہ جتنے میں تمام فرشتے اور تمام موجودہ صحابہ دو دو چار چار کر کے یکے بعد دیگرے حجرہ کے اندر جا جا کر بلا کسی امام کے نماز پڑھ سکیں اس روایت اور اس ارشاد نبوی کو دیکھنے کے بعد تو یہ صحابہ کرام کی ایک نمایاں کرامت ہی معلوم ہوتی ہے کہ وفات شریف کے بعد ۳۳ یا ۳۴ گھنٹوں کے اندر اندر ان تمام ہدایات نبوی پر (باوجود غم کی بدحواسی کے) پورا پورا عمل بھی کیا پھر اچانک جو فتنہ اور اختلاف صحابہ میں پیدا ہو گیا تھا اس کا تصفیہ بھی نہایت انصاف اور امن سے کر لیا اور اپنا ایک امیر بھی منتخب کر لیا اس طرح پورے سکون واطمینان اور بہترین نظم وضبط کے ساتھ نماز دفن میں سب

شریک ہو سکے (۳) ہم جیسے نالائق اور بداعمال مسلمان جو باوجود بداعمالیوں اور حق تعالیٰ کی نافرمانیوں کے ابتک زندہ ہیں تو ایمان کی بات یہ ہے کہ ہم حضورؐ کے ان آخری سلاموں ہی کی برکت اور طفیل میں زندہ ہیں۔ حضورؐ کا یہ آخری سلام اور بڑے اہتمام سے سلام ہملوگوں کیلئے انتہائی خوش نصیبی ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ علیٰ حبیبك حبیبنا محمد و اله و اصحابه و ازواجه و ذریاته وبارك وسلم

☆☆☆

روز نہم پنجشنبہ

۸ ربیع الاول ۱۱ھ مطابق ۴ جون ۶۳۲ء

واقعہ (۵): جب حضورؐ کی وفات قریب ہوئی (وفات سے پانچ روز قبل) تو حجرۂ عائشہؓ میں بہت سے صحابہؓ حضورؐ کی عیادت کو آئے۔ حضورؐ کو بار بار غشی طاری ہوجاتی تھی۔ ایک بار غشی سے افاقہ پر حضورؐ نے صحابہؓ سے فرمایا ''آؤ میں تم کو ایک بات ایسی لکھ دوں جس کے بعد تم بہک نہ سکو گے۔ کاغذ قلم ودوات لاؤ، (ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے کاغذ لانے اور لکھنے کا حکم حضرت علیؓ ہی کو دیا تھا۔ دیکھو فتح الباری باب کتابۃ العلم) لوگ کاغذ لائے اور املا کے منتظر ہوئے (اتنے میں حضورؐ کو پھر غش آ گیا) یہ حال دیکھ کر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔'' (حضور کو تکلیف سخت ہے بار بار غشی ہورہی ہے ہم ایسی حالت میں آپ کو کچھ سوچنے اور لکھانے کی تکلیف کیوں دیں) ہمارے پاس قرآن اللہ کی کتاب تو موجود ہی ہے۔ (جو صورت پیش آئے گی اس کے لئے ہم قرآن سے ہدایت نکال کر عمل کریں گے) تو ''اہلبیت'' (حجرہ میں موجود صحابہ) اختلاف کرنے لگے۔ بعضوں نے کہا کاغذ لیکر تیار رہو تا کہ حضورؐ ایسی بات لکھوا دیں جس سے تم لوگ بہک نہ سکو۔ دوسرے بعضوں نے وہی کہا جو حضرت عمرؓ نے کہا تھا جب حضورؐ کے پاس یہ اختلاف بڑھنے اور شور سا ہونے لگا تو حضورؐ نے ناخوش ہو کر فرمایا۔ ''تم سب میرے پاس سے

اٹھ جاؤ۔ (عبید اللہ راوی کہتے ہیں کہ) ابن عباس یہ روایت بیان کر کے جب (ہمارے یہاں سے) نکلے تو یہ کہتے تھے کہ اجی بڑی مصیبت تو یہی ہوئی کہ ان کے شور اور اختلاف کے باعث اس تحریر میں رکاوٹ پڑ گئی"۔ (بخاری عن علی بن عبداللہ باب مرض النبی ج ۲ ص ۶۳۸)

تشریح:۔ (۱) چونکہ ولایت عہد اور وصیت استخلاف ایک ضروری اور اہم معاملہ تھا نیز سیاسی حالات کا تقاضا تھا کہ اس کے متعلق صریح حکم دے دیا جائے اس لئے آپ نے اپنے پہلے فیصلہ (التوا تحریر) کو پھر منسوخ فرمایا اور دوسرا فیصلہ یہی کیا کہ مضمون وصیت لکھا ہی دیں۔ (۲) یہ تو سچ ہے کہ صراحتاً اور حتماً نہیں معلوم ہو سکتا کہ آپ اس روز تحریر میں کیا لکھانے والے تھے مگر اس سے قبل کے اور بعد کے قوی قرائن دیکھ کر ایک منصف اور خالی الذہن شخص تو یقیناً کہہ دے گا کہ وہ تحریر لکھی جاتی تو ابو بکرؓ ہی کو وصی اور خلیفۂ بلا فصل بنانے کیلئے ہوتی مورخین نے اس واقعہ کو پچھلے واقعات سے الگ کر کے دیکھا ہے اس وجہ سے وہ نہ ان قرائن کا ذکر کرتے ہیں اور نہ ان کے نتیجہ کا۔ ان کا ذہن ذیل کے قرائن کی طرف غالباً گیا ہی نہیں۔

(الف) دو دن پہلے آپ نے زنانخانہ میں سیدہ عائشہؓ سے بھی تحریر ہی لکھانے کا ارادہ ظاہر کیا اور اس وقت یہ فرمایا کہ ابو بکرؓ کے سوا کسی پر خدا راضی نہ ہوگا۔ اس تحریر کو ملتوی کر دیا تھا۔ یعنی وہ تحریر اگر لکھی جاتی تو اس میں ابو بکرؓ کو خلیفہ بنانے کی ہی وصیت ہوتی۔

(ب) اور اس وقت (جمعرات) کو بھی آپ نے تحریر ہی لکھانے کا ارادہ ظاہر کیا اور جب اہل بیت نے شور مچایا تب بھی آپ نے تحریر ملتوی فرما دی۔ (ج) دو ہی دن بعد آپ نے صریح حکم دے دیا کہ ابو بکرؓ میری جگہ پر نماز پڑھایا کریں۔"

ان قبل اور بعد کے قرائن سے حضورؐ کا منشاء تحریر اتنا واضح ہے کہ اسے دشمن بھی خوب سمجھ گئے پھر بھی وہ حضرت علیؓ کے بارے میں ایک بلا وجہ دور از کار احتمال اٹھا کر ڈھول کی رسی برابر بٹے جا رہے ہیں۔ آج تک جب بھی سنئے تو وہی واقعہ قرطاس کا چرخہ چلا رہا ہے۔ بات یہ ہے کہ ان کا تو مقصد ہی اسلام میں تفریق اور دلوں میں وسوسہ ڈالنا ہے۔

(۳) بہر حال آپؐ نے مستقبل کے امکانات اور سیاسی حالات کا جائزہ لینے کے بعد جو تحریر لکھانے کا فیصلہ کیا (جو لکھی نہیں جا سکی) تو اس کا راز یہی سمجھ میں آتا ہے کہ چونکہ

انصار میں سے حضرت سعد انصاری اور مہاجرین میں سے عباسؓ اور علیؓ سے دعوائے خلافت ظاہر ہونے والا تھا۔ اسی کا انو کاس قلب مبارک پر ہو رہا تھا۔ اس لئے آپ نے چاہا کہ ابو بکرؓ کے بارہ میں صریح حکم لکھوادوں تا کہ میرے گھرانہ والے بھی اور انصار بھی میرا حکم سن کر اختلاف نہ کریں۔ (۴) لیکن باوجود خواہش نبویؐ کے یہ تحریر جو نہیں لکھی گئی اس کا بھی راز یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو منظور تو یہ تھا کہ امت ہی آپس کے مشورہ کے بعد خلیفہ کا انتخاب کرے اور امت میں جمہوری طرز حکومت کی بنیاد پڑے۔ اس لئے حضورؐ نے اس دوسری بار بھی ابو بکرؓ کو یا کسی کو خلافت کیلئے نامزد نہیں کیا۔ بالفرض حضورؐ کا منشا اس تحریر میں حضرت علیؓ ہی کے بارہ میں وصیت کرنے کا رہا ہوتا جیسا دشمن احتمال نکالتے ہیں۔ تب بھی حق تعالیٰ کو منظور ہی نہیں تھا کہ وہ تحریر عالم وجود میں آئے۔ (۵) یہ واقعہ قرطاس کہلاتا ہے۔ ظاہر میں لوگ اس کو پنجشنبہ کا واقعہ سمجھتے ہیں اور نتیجہ نکالنے میں غلطی کرتے ہیں حالانکہ اس کا تعلق واقعہ اول ہی کی تحریر سے ہے اس کو اسی کی روشنی میں دیکھنے سے صحیح مطلب سمجھا جا سکتا ہے دشمنوں نے جو وساوس مسلمانوں کے دلوں میں ڈالنے چاہے ہیں اس کا جواب بعض مشہور اہل قلم نے یہ دیکھ کر کہ اس واقعہ سے تو حضرت عمرؓ پر الزام الگ لگتا ہے اور نعوذ باللہ خود حضورؐ کی ذات اقدس کے متعلق بھی شائبہ تنقیص الگ ہوتا ہے۔ سرے سے حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت ہی کا انکار کرنا چاہا ہے اور کہا ہے کہ اس انکار میں ہم اس وجہ سے اور بھی حق بجانب ہیں کہ اتنے اہم واقعہ کے راوی صرف ابن عباسؓ ہی ہیں جو وفات رسولؐ کے وقت اول تو خود موجود نہیں تھے دوسرے اس وقت ان کی عمر کل تیرہ سال کی تھی اس لئے تیرہ سالہ نوعمر شخص جو واقعہ کے عینی شاہد بھی نہیں اگر حضورؐ کی تنقیص اور عمرؓ پر الزام کی روایت کریں اور تنہا روایت کریں تو ہم اس کو رد کر دینا آسان سمجھتے ہیں۔" (الفاروق شبلی ص ۳۸)

مگر میرے نزدیک یہ بات وزنی اور معقول نہیں۔ اول تو اس وجہ سے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما خیر امت ہیں، حضورؐ کے نظر کردہ اور دعا یافتہ ہیں ان کی عمر خواہ تیرہ برس ہی ہو خواہ اس سے بھی کم رہی ہو۔ وہ قابل اعتماد ہیں اور یقیناً ہیں پھر خواہ واقعہ کے وقت وہ حضورؐ کے پاس موجود نہ رہے ہوں وہ یقیناً ثقہ اور عادل ہیں اور ان کی روایت یقیناً

معتبر ہے۔ دوسرے ثقہ راویوں کی روایت صحیحہ کو محض اس نے وزن قیاس سے اصولاً رد نہیں کیا جاسکتا۔ تیسرے اگر ابن عباسؓ سے الزام اور تنقیص کی صرف یہی ایک روایت منقول ہوتی تب تو خیر اس حدیث کے انکار میں کچھ معقولیت بھی ہوتی لیکن ہم کو تو ابن عباسؓ ہی کی بعض روایات ایسی بھی ملتی ہیں جن میں اس الزام اور تنقیص کا مضمون سرے سے نہیں تو اس روایت کا انکار کیوں کیا جائے؟ آخر ان کی کیا توجیہہ کی جائے گی؟ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ بخاری میں اس روایت کا ذکر مجھے پانچ جگہ چھ طرق سے ملا ہے:

(الف) باب کتابۃ العلم (ج ۱، ص ۲۲)، اسناد: ۱بخاری، ۲ابن وہب، ۳یونس ابن شہاب، ۵عبداللہ، ۶ابن عباس رضی اللہ عنہم

(ب) باب جوائز الوفد (ج ۱، ص ۴۲۹)، اسناد: ۱بخاری، ۲قبیصہ، ۳ابن عینہ، ۴سلیمان احول، ۵سعید بن جبیر، ۶ابن عباس رضی اللہ عنہم

(ج) باب مرض النبی وفاتہ (ج ۲ ص ۶۳۸)، اسناد: ۱بخاری ۲قتیبہ، ۳سفیان، ۴سلیمان احول، ۵سعید بن جبیر، ۶ابن عباس رضی اللہ عنہم

(د) باب ایضاً (ج ۲ ص ۶۳۸) اسناد: ۱بخاری، ۲علی بن عبداللہ، ۳عبدالرزاق، ۴معمر، ۵زہری، ۶عبیداللہ۔ ۷ابن عباس رضی اللہ عنہم

(ہ) باب قول المریض قوموا عنی (ج ۲ ص ۸۴۶)، اسناد: ۱بخاری ۲ابراہیم بن موسیٰ ۳ہشام، ۴معمر، ۵زہری، ۶عبیداللہ، ۷ابن عباس رضی اللہ عنہم

(و) باب ایضاً (ج ۲ ص ۸۴۶) اسناد: ۱بخاری ۲عبداللہ بن محمد ۳عبدالرزاق، ۴معمر، ۵زہری، ۶عبیداللہ، ۷ابن عباس رضی اللہ عنہم

ان طرق میں سے صرف دو طریق ایسے ہیں جن میں یہ الزام و تنقیص کا مضمون ہے۔ وہ طرق وہ ہیں جن میں بخاری کے استاد قریب قبیصہ اور قتیبہ ہیں اور استاد بعید سعید بن جبیر ہیں۔ ورنہ بقیہ چار طرق جن میں حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد عبیداللہ ہیں ان میں یہ لغو مضمون سرے سے نہیں۔ تو ہم بخاری کے چار استادوں (ابن وہب، علی بن عبداللہ، ابراہیم بن موسیٰ، اور عبداللہ بن محمد) کی روایتوں کو آخر کس جرم میں روک دیں؟ کیا صرف اس جرم میں کہ اسی قصہ قرطاس کے دو طرق میں ''الزام و تنقیص'' کا لغو مضمون موجود ہے؟ ابن عباس کی روایت کے مطلقاً انکار کر دینے کا مطلب تو یہ ہے کہ اس کے ہر طریق میں ''الزام و تنقیص'' کا قابل اعتراض

اور لائق احتراز مضمون موجود ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں بلکہ اس کے اکثر طرق کا مضمون بے غبار بھی ہے۔ پس واقعہ قرطاس اور روایت ابن عباس کے مطلقاً انکار کے مقابلے میں ہم یہ کیوں نہ کریں کہ اس کے چار بے غبار طرق کو تو صحیح مانیں اور صرف انہیں دو طرق کا انکار کریں جنھیں بخاری کے استاد قریب قبیصہ اور قتیبہ اور استاد بعید سعید بن جبیر ہیں۔ اگر خود حضرت ابن عباسؓ سے یہ واقعہ اس ''الزام و تنقیص'' کے لغو مضمون کے ساتھ مروی ہوتا تو اسے ان کے ہر شاگرد کی روایت میں ہونا چاہئے تھا۔ مگر آخر یہ کیا راز ہے کہ چار طرق میں تو کہیں اس مضمون کا پتہ نہیں صرف دو ہی طرق میں ہیں؟ اور اس میں بھی اگر کوئی ماہر جرح و تعدیل اور فن رجال کا واقف عالم دین ذرا نظر تحقیق سے کام لے تو ہوسکتا ہے کہ یہ انکشاف [1] ہو کہ وہ دراصل ایک ہی طریق ہے اور کسی راوی کی کسی مخفی غرض نے اسے دو بنایا ہو خیر یہ کام تو فن رجال کے کسی عالم کا ہے لیکن مجھے اس طریق کے خود مضمون میں بھی کچھ نکارت معلوم ہوتی ہے۔ آپ بھی سن لیجئے:

''ابن عباسؓ نے فرمایا ''ہائے جمعرات ! ارے کیسی کچھ تھی وہ جمعرات ! حضورؐ کا مرض شدت اختیار کرگیا تو آپ نے فرمایا میرے پاس آؤ میں تم کو ایک ایسی تحریر لکھ (لکھوا) دوں کہ تم اس کے بعد پھر کبھی بہک نہ سکو گے تو اہل بیت آپس میں جھگڑنے لگے حالانکہ نبی کے پاس جھگڑا مناسب نہ تھا تو کچھ لوگوں نے یہ کہہ دیا ''یہ حضور کی کیا حالت ہے؟ کیا آپؐ نے ہذیان کہا ہے؟ ذرا آپ سے پھر تو پوچھ لو تو لوگ آپ کے پاس آپ کی بات دوبارہ پوچھنے گئے۔ تو آپ نے فرمایا، تم سب مجھے چھوڑ دو۔ میں اس حالت میں اس سے اچھا ہوں جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو۔ پھر آپ نے ان کو تین وصیتیں فرمائیں ایک یہ فرمایا کہ مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔ ایک یہ کہ وفود کو اسی طرح انعام اور تحائف دینا جیسے میں دیتا تھا۔ تیسری بات پر وہ چپ ہوگئے یا یہ کہ میں ہی بھول گیا۔ (باب مرض النبی ج ۲ ص ۶۳۸)۔ باب جوائز الوفد ج ۱ ص ۴۲۹۔ میں بھی تقریباً یہی ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ ''کیسی کچھ تھی وہ جمعرات''۔ کے بعد اس میں اتنا

[1] فتح الباری ج ۶ باب جوائز الوفد میں مل گیا کہ قبیصہ دراصل سفیان ثوری کے شاگرد ہیں۔ انھیں سے روایت بھی کرتے ہیں سفیان ابن عیینہ سے بجز بخاری کی اس روایت کے کوئی اور روایت ہی نہیں اور فربری کے شاگرد ابن السکن کی روایت میں قبیصہ کی بجائے قتیبہ کا نام ہے۔ الحمدللہ۔ ۱۲

اضافہ ہے کہ ''پھر ابن عباسؓ اتنا روئے کہ آنسوؤں سے کنکریاں تر ہوگئیں''۔ اور ''کیا آپ نے ہذیان کہا ہے؟'' کے بعد ''پھر تو پوچھ لو'' کا لفظ نہیں ہے۔ اچھا اب اس نکارت کا حال سنئے:

(۱) امت میں بعد کے اختلافات دیکھ کر صرف ابن عباسؓ کا رونا اور اتنا رونا کہ چہرہ ریش مبارک دامن وغیرہ سے گذر کر زمین کے کنکر پتھروں کا بھیگ جانا کچھ جی کو نہیں لگتا۔ بے غبار روایت میں ان الرزیۃ کل الرزیۃ، کا لفظ آیا ہے یعنی انھوں نے فرمایا کہ اجی ساری مصیبت تو یہی ہوگئی کہ لوگ اختلافات کرنے لگ گئے اور تحریر نہ لکھی جاسکی۔ تحریر آج ہوتی تو یہ اختلافات نہ ہوتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسی مضمون کو غیر ضروری مبالغہ کے ساتھ کسی راوی نے بیان فرمادیا ہے۔

(۲) جب حضورؐ کے کسی ارشاد میں خواہ وہ حالت مرض کی ہو یا حالت صحت کی۔ کسی ایک بات پر بھی کبھی اس کا احتمال نہ ہوسکا اور ہوسکتا بھی نہ تھا کہ آپ نے معاذ اللہ بے عقلی، کم عقلی، بدحواسی کی بات فرمائی ہو تو حضورؐ کے اس ارشاد پر کہ کاغذ قلم دوات لاؤ میں کچھ لکھوادوں، آخر کون سی غرابت تھی کہ معاذ اللہ بدحواسی (ہذیان) کا احتمال ہو؟ پھر تعجب ہے کہ ابن عباس رسول کے اہل بیت حدیثی ہو کر حضورؐ کیلئے ہجر (ہذیان۔ بدحواسی) کا لفظ استعمال کریں۔ (۳) جب صحابہؓ کاغذ قلم دوات لے کر حضورؐ سے دوبارہ پوچھنے گئے۔ اور قرینہ یہی ہے کہ یہ پوچھا ہوگا کہ حضورؐ ہم لوگ حسب الحکم کاغذ قلم لے آئے ہیں آپ جو لکھوانا چاہتے تھے ارشاد فرمائیں ہم لکھ لیں۔ اس کے جواب میں حضورؐ کا یہ ارشاد کہ میں جس حالت میں ہوں وہ اس سے اچھی ہے جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو۔ اللہ مجھے معاف فرمائے اور مجھ پر رحم کرے۔ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ میں صحابہ کی گذارش اور حضورؐ کے جواب میں کوئی جوڑ نہیں سمجھ سکا۔ بخاری کی روایت دیکھ کر اگرچہ علماء نے کوشش کی ہے کہ ان میں جوڑ ربط پیدا کریں مگر میں دور از کار تاویل کا قائل نہیں۔ مجھے صاف یہ نظر آرہا ہے کہ یہ بے جوڑ بات حضورؐ کے متعلق کہہ کر کسی راوی نے اسی اپنے سابق لغو لفظ ہجر (ہذیان) کا ایک جواز و ثبوت بہم پہنچانا چاہا ہے لیکن الحمد للہ کہ یہ نکات ان چار بے غبار طرق میں نہیں ہے۔

اگر میری معروضات بالا علمی طور پر صحیح ہوں تو ہمیں کیا ضرورت ہے کہ دشمنان دین کے اس وسوسہ کی طرف کچھ بھی التفات کریں جو وہ ان ایک یا دو طریق کو لے کر ہمارے دلوں میں

ڈالنا چاہتے ہیں جن میں ابن عباس کے شاگرد سعید ابن جبیر ہیں۔ اس روایت کے مطابقاً (چھون طرق کے) انکار کے مقابلہ میں ہم اس کا جواب یہ کیوں نہ دیں کہ چونکہ واقعہ قرطاس بخاری ہی کے چار طرق میں ایسے الفاظ سے بھی ہے جن میں حضورؐ کی تنقیص نہیں ہے اس لئے ہم انھیں چار کو صحیح سمجھتے ہیں اور اس ایک (یا دو) طریق کو کچھ روایت مشتبہ اور کچھ معنیً سوء ادب جان کر رد کرتے ہیں۔ تمھیں اگر اعتراض کرنا ہو تو بخاری کے ان چار طرق کو لے کر کوئی اعتراض کرو۔

طریق مشتبہ کا جواب

لیکن اتمام حجت کیلئے ہم ذیل میں اس مشتبہ طریق (سعید بن جبیر عن ابن عباس) کا بھی مسکت جواب دیئے دیتے ہیں۔ دشمنان دین کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ پر دو الزام ہیں۔

(۱) حضورؐ حضرت علیؓ کو خلیفہ بنانے والے تھے اسے عمرؓ نے روک دیا۔

(۲) عمرؓ نے ایسی تحریر کے لکھے جانے میں روڑا اٹکایا جس سے امت پھر نہ بھٹکنے پاتی۔

جواب یہ ہے:

(۱) حضرت عمرؓ نے حضورؐ کی غایت رعایت فرمائی اور آپ کو راحت پہنچانے کو یہ مشورہ دیا تھا۔

(۲) حضرت عمرؓ چونکہ مزاج رسالت کو ابن عباسؓ، علیؓ، عباسؓ وغیرہم سے کچھ زیادہ ہی سمجھتے تھے چنانچہ حضرت عمرؓ کے بعض مشوروں کے مطابق وحی الٰہی بھی نازل ہوئی جو "موافقات عمرؓ" کے نام سے مشہور ہے۔ اس لئے انھیں یقین تھا کہ اگر وہ مضمون جسے حضورؐ لکھانا چاہتے تھے۔ کسی واقعی دینی ضرورت کے متعلق ہوگا تو ناممکن ہے کہ حق تعالیٰ حضورؐ کی حیات ہی میں اس کی تکمیل نہ فرمادیں۔

(۳) حضورؐ نے سیدہ عائشہؓ سے بھی تحریر لکھانے کا ارادہ ظاہر کیا تھا پھر اسے خود ہی ملتوی فرمادیا اس سے حضرت عمرؓ سمجھ گئے کہ اس تحریر کا نہ لکھا جانا ہی منشاء نبوی بلکہ منشاء الٰہی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ چونکہ سرِ الٰہی کو نہیں سمجھ سکے اس لئے انھوں نے رو رو کر کنکریاں تر کردیں۔

(۴) حضرت عمرؓ نے جو حسبنا کتاب اللہ فرمایا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن ہادی کامل ہونے پر ان کا کس درجہ قوی ایمان تھا کہ اس نازک موقع پر بھی ان کے ایمان میں کمی نہیں ہونے پائی۔

(۵) حسبنا کتاب اللہ فرما کر حضرت عمرؓ نے اپنی صلاحیت قرآن فہمی اور اپنی ہمت کا بھی اظہار فرما دیا۔

(٦) حضرت عمرؓ نے اس وقت ایک مشورہ ہی تو دیا تھا۔ اگر انھوں نے غلطی کی تھی تو حضرت عباسؓ اور ابن عباس نے اور خاص کر علیؓ نے کہ ایک روایت میں کاغذ لانے اور لکھنے کا حکم انھیں کو تو حضورؐ نے دیا تھا اس وقت یا بعد میں حضورؐ نے دیا تھا اس وقت یا بعد میں حضور سے اس معاملہ کو صاف کیوں نہیں کرلیا؟

(۷) اگر حضرت عمرؓ کا یہ مشورہ غلط تھا تو اہلبیت نے حضرت عمرؓ کی موافقت ہی کیوں کی؟

(۸) پھر جب کچھ اہلبیت نے بھی حضرت عمرؓ کی موافقت کی تو لوگوں کی یہ کتنی بددیانتی ہے کہ اس مشورہ کا سارا الزام اور طعن صرف حضرت عمرؓ کو دیا جائے۔ حالانکہ اس میں الزام کی بات سرے سے نہیں تھی۔

(۹) اس وقت بھی حضورؐ نے یہ فرما کر کہ ''اچھا میرے پاس سے ہٹ جاؤ'' یہ ظاہر فرما دیا کہ وہ تحریر ضروری نہیں تھی نہ بھی لکھی جائے تو کچھ حرج نہ ہوگا۔

انتباہ ضروری

واقعہ قرطاس میں ترک تحریر کے مشورے میں اہلبیت کا لفظ بھی آیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اس کے معنی یہاں ذوات اربع کے نہیں بلکہ اس جگہ ''حجرہ میں موجود کل صحابہؓ کے ہیں۔ چنانچہ میں نے واقعہ نمبر ۵ میں ترجمہ حدیث میں یہی ترجمہ کیا بھی ہے لیکن چونکہ علما کی عام روش یہ ہے کہ اہلبیت چاہے جہاں بھی آئے اس سے حضورؐ کے داماد اور نواسے اور صاحبزادی ہی کو مراد لیتے ہیں۔ حتیٰ کہ قرآن کے لفظ اہلبیت سے بھی مراد اور مصداق انھیں ذوات اربع کو لیتے ہیں حالانکہ وہاں سو فیصدی ازدواج رسول امہات المومنین مراد ہیں اس لئے میں نے بھی تشریح میں مجمل اہلبیت ہی کہا ہے۔

اس حدیث میں لفظ اہلبیت جس وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے اسے دیکھ کر تو حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ کو بھی بے تکلف اہلبیت رسول کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ وہ آج چودہ سو برس سے بیت رسول میں مقیم ہیں۔

واقعہ (٦): حضورؐ نے خواہش ظاہر فرمائی کہ مدینہ کے سات کنوؤں کا تازہ پانی بھر کر لاؤ اور اس کا دہانہ میرے پاس لاکر کھولا جائے اور پانی میرے بدن پر ڈالا جائے۔ چنانچہ آپ کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ سات الگ الگ مشکیزوں میں سات کنوؤں کا پانی بھر کر لایا گیا۔ حضورؐ ایک ٹب میں بیٹھے اور تازہ پانی آپ کے سر پر مسلسل ڈالا جانے لگا۔ اس طرح غسل سے آپ کی طبیعت کچھ بحال اور ہلکی ہوگئی۔ تو آپ نے صحابہؓ سے کچھ آخری باتیں کرنی چاہیں۔ آپؐ نے سر میں پٹی باندھی اور مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر بیٹھے۔ صحابہؓ نہایت اشتیاق سے آپ کے گرد آبیٹھے۔ آپ نے ان سے فرمایا:

(۱) اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندہ کو اختیار دیا کہ وہ چاہے تو دنیا کو اختیار کرے اور چاہے تو اللہ کا قرب پسند کرے تو اس بندہ نے وہی پسند کیا جو اللہ تعالیٰ کو پسند تھا۔

(۲) اس وقت میری مسجد میں کئی آدمیوں کے گھروں کی کھڑکیاں اور دروازے ہیں۔ آج سے بجز ابوبکرؓ کی کھڑکی اور علیؓ کے دروازے کے بقیہ سب دریچے اور دروازے بند کر دئے جائیں۔

(۳) اگر میں خدا کے سوا کسی اور کو خلیل بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا لیکن ان سے میری صحبت اور اخوت ہے یہاں تک کہ ہم دونوں اللہ تعالیٰ کے یہاں جمع ہوں۔ دنیا میں اور کسی نے بھی میرے ساتھ کچھ سلوک کیا میں نے اس کا پورا بدلہ اسے دے دیا مگر ابوبکرؓ نے جان اور مال سے مجھ پر اتنی قربانیاں کی ہیں کہ میں ان کا بدلہ نہیں دے سکا۔ اسے میں خدا کے حوالے کرتا ہوں وہی بدلہ دے گا۔

(۴) انصار میرے خاص لوگ ہیں اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا ان کے نیکوکاروں کے ساتھ احسان کرنا اور ان کے خطا کاروں سے درگزر کرنا۔

(۵) اس کے بعد مہاجرین وانصار کا ایک لشکر ترتیب دیا اور اس میں حضرت اسامہؓ کو جن کی عمر صرف بیس برس کی تھی اس کا سردار مقرر فرمایا اور ابوبکرؓ وعمرؓ اور دوسرے اکابر صحابہؓ کو اسامہ کے ماتحت بنایا، اور اپنے دست مبارک سے اس لشکر کیلئے لواء (پھریرا) بنایا اور اسامہؓ کو دعا ونصائح

دے کر فرمایا۔ ''موتہ جاؤ اور رومیوں سے اپنے باپ کا انتقام لو۔

(٦) اسامہؓ کی اس سرداری پر کسی نے کچھ اعتراض کیا تو حضورؐ نے فرمایا: لوگو! اسامہ کی سرداری پر اعتراض نہ کرو۔ تم نے اس کے باپ زیدؓ کی سرداری پر بھی اعتراض کیا تھا۔ حالانکہ سردار ہونے کی اہلیت اس کے باپ میں بھی تھی اور اس میں بھی ہے۔ پھر اسامہ سے فرمایا: اے اسامہ! اگرچہ میں نے ابوبکرؓ کو بھی تمھارے لشکر میں جانے کے لئے نامزد کیا ہے مگر میں بیمار ہوں اس وجہ سے تم ابوبکرؓ کو میرے پاس رہنے کے لئے چھوڑ جاؤ۔ یہ فرما کر آپ پھر حجرے میں تشریف لے گئے۔ مرض کی تکلیف برابر بڑھ رہی تھی یہ دیکھ کر حضرت اسامہ نے فوج کو مدینہ کے باہر ایک دو دن رک جانے کا حکم دیا تاکہ کوئی مجاہد اگر کوئی چیز بھول گیا ہو تو اس کا تدارک کر لے اور حضورؐ سے بھی رخصت ہو لے۔ چنانچہ فوج مقام جُرف میں ٹھہر گئی۔

تشریح:۔ (۱) حضرت ابوبکرؓ سمجھ گئے کہ ''اس بندہ'' سے مراد خود حضورؐ ہیں اور اللہ کی پسند سے مراد اللہ کی طرف لوٹ جانا ہے۔ یعنی اب حضورؐ نے حق تعالیٰ سے جا ملنے کا ارادہ فرمالیا ہے یہ سمجھ کر وہ رو پڑے اسوقت تو سب کو تعجب ہوا۔ بعد میں سب نے اعتراف کیا کہ ابوبکرؓ ہم سب سے زیادہ صاحب علم وفہم تھے۔ (مشکوۃ وفات النبی) (۲) حضرت علیؓ کے مکان سے نکلنے کا راستہ چونکہ کسی اور طرف سے ہو نہیں سکتا تھا اس لئے مجبوراً انکا راستہ مسجد میں سے ہو کر رکھا گیا لیکن یہ صرف ابوبکرؓ کی خصوصیت تھی کہ ان کے مکان سے نکلنے کا دوسرا راستہ تھا پھر بھی ان کی کھڑکی مسجد نبوی میں کھلی رہنے دی گئی۔ جس کا نشان آج تک باقی رکھا گیا ہے۔ (۳) بخار کا ایک علاج غسل بھی ہے اسلئے حضورؐ نے غسل فرمایا۔ سر پر سات مشکیزے پانی بہانے کا مطلب وہی ہے جو سر پر برف رکھنے یا تر رومال رکھنے کا ہے۔ (۴) اس افاقہ کے وقفہ میں بھی نہ آپ نے وہ تحریر لکھوائی نہ حضرات علیؓ وعباسؓ وابن عباسؓ نے آپ کو یاد دلایا درآنحالیکہ ایک روایت کے لحاظ سے حضرت علیؓ ہی کو حضورؐ نے کاغذ قلم دوات لانے کا حکم دیا تھا اس صورت میں اگر حضرت علیؓ کے بارہ میں وہ وصیت نامہ نہ لکھا جا سکا تو دو ہی صورتیں ہیں یا تو حضرت علیؓ خود اپنے اس نقصان

کے ذمہ دار ہیں یا انکی سمجھ میں بھی آ گیا کہ تحریر کا نہ ہونا ہی مشیت الٰہی ہے۔ اور یہ دوسری بات صحیح ہے۔

واقعہ:۔ (۷) اگرچہ زہر کے اثر سے آپ کی پسلیوں میں تیز درد ہونے لگا تھا اور بخار بھی بڑھ رہا تھا اور آپ پر برابر غشی کے دورے بھی پڑ رہے تھے مگر مغرب تک آپؐ ہر نماز کی امامت خود ہی فرماتے رہے۔ عشاء کی نماز کے لئے صحابہ مسجد میں جمع ہوئے۔ حضرت بلالؓ نے حجرہ کے دروازہ پر آ کر نماز کا وقت آجانے کی اطلاع دی اس پر آپ نے تین بار غسل (یا وضو) فرما کر مسجد میں جانا چاہا مگر ہر بار غشی ہو جاتی تھی آخر آپنے فرمایا ''ابوبکرؓ سے کہو نماز پڑھا دیں'' بلال ادھر گئے ادھر سیدہ عائشہؓ کو یہ وہم ہونے لگا کہ اس وقت جو شخص بھی حضورؐ کی جگہ نماز پڑھائیگا وہ منحوس و نامبارک سمجھا جائے گا اس خیال کو تو دل میں رکھا اور سیدہ حفصہؓ سے کہا کہ ابوبکرؓ دل کے نرم ہیں۔ جب وہ حضورؐ کے مصلے کو خالی دیکھیں گے تو شدتِ گریہ سے نماز نہ پڑھا سکیں گے پھر ان کی آواز بھی پست ہے اسلئے عمرؓ کو حکم دو کہ نماز پڑھا دیں۔ حضرت ابوبکرؓ کو تلاش کیا گیا وہ ملے نہیں اتنے میں حضرت حفصہؓ نے حضرت عمرؓ کا نام جو لیا تو بلالؓ یا عبداللہ بن زمعہ نے حضرت عمرؓ کو امام کی جگہ کھڑا کر دیا اور انھوں نے نماز پڑھانی شروع بھی کر دی۔ ان کی بلند آواز سنکر حضورؐ چونکے، پوچھا کون نماز پڑھا رہا ہے کہا گیا عمرؓ۔ آپنے ناخوش ہو کر فرمایا عمرؓ نہیں ابوبکرؓ نماز پڑھائیں، اس پر سیدہ عائشہؓ نے ہمت کر کے حضورؐ سے بھی عرض کیا کہ ابوبکر نرم دل ہیں مصلے کو آپ سے خالی دیکھ کر ضبط نہ کر سکیں گے اور گریہ کے باعث نماز نہ پڑھا سکیں گے۔ حضورؐ نے خفا ہو کر باواز بلند فرمایا۔ ''ہاں! تم ہی عورتیں تو حضرت یوسفؑ کے معاملہ میں بھی تھیں، دل میں کچھ اور زبان پر کچھ۔ عمرؓ نماز نہ پڑھائیں ابوبکر نماز پڑھائیں''۔ حضورؐ کی خفگی سنکر حضرت عمرؓ نے نماز توڑ دی اور بلالؓ پر خفا ہوئے کہ تم نے کیوں مجھے امام بنا دیا۔ اس وقت تک ابوبکرؓ بھی مسجد میں آ گئے تھے اس لئے حضورؐ کے حکم کے مطابق یہ امام بنے۔ نماز شروع کی تو ان کا وہ حال ہوا جس کی سب سے بہتر تعبیر حافظ شیرازی علیہ الرحمۃ نے کی ہے

در نمازم، خمِ ابروئے تو تا یاد آمد
حالتے رفت کہ محراب بفریاد آمد

وفور گریہ سے آواز گلے میں رندھ گئی۔ اور قریب تھا کہ صحابہؓ کی بھی چیخیں نکل جائیں چونکہ اس وقت حضورؐ کو غشی سے کچھ افاقہ ہو گیا تھا اسلئے آپ دو صحابہ علیؓ و عباسؓ کے کاندھوں پر سہارا دیتے ہوئے حجرہ سے باہر تشریف لے آئے اور صفیں چیرتے ہوئے ابوبکرؓ کے پاس پہنچے اور ان کی بائیں جانب (اور بروایتے دیگر داہنی جانب) جا بیٹھے۔ ابوبکرؓ نے امام کی جگہ سے پیچھے ہٹنا چاہا آپ نے اشارہ سے انکو وہیں روکا۔ اس کے بعد آپ نے نماز پوری کی۔ ابوبکرؓ تکبیرات انتقال زور زور سے کہتے جاتے تھے مقتدی انھیں کی آواز پر نماز پڑھ رہے تھے۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ نے صحابہؓ کو پھر سے حسب ذیل چند نصیحتیں کیں:۔

(۱) دیکھو میری قبر کو عید (عرس اور سالانہ میلہ) نہ بنا لینا (۲) دیکھو میری قبر کو صنم اور بت کی طرح پرستش گاہ نہ بنا لینا۔ اللہ لعنت کرے یہود و نصاریٰ پر کہ انھوں نے اپنے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو پرستش گاہ بنا لیا (۳) اے فاطمہ، اے صفیہ! اپنی اپنی آخرت کے لئے خود عمل کر لو، میں تم کو خدا (کے عذاب) سے نہیں بچا سکتا (۴) ہر نبی کی روح وہیں قبض کی جاتی ہے جہاں خدا کو اس کا دفن ہونا پسند ہوتا ہے (۵) مجھے میرے گھرانہ والے غسل دیں وہی مجھے کفنائیں اور وہی مجھے قبر میں اتاریں (یہ سن کر صحابہؓ رو پڑے) تو فرمایا (۶) میرا تم سے پہلے خدا کے یہاں چلا جانا ہی تمہارے حق میں اچھا ہے۔ اگر نبی سے پہلے امت خدا کے یہاں چلی جائے تو یہ بُری علامت ہے۔ میں حوضِ کوثر پر تم سے پہلے پہونچکر تمہارے لئے انتظام درست رکھوں گا۔ میں یہاں سے حوضِ کوثر کو ان آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں میں تم سب کو خدا کے سپرد کرتا ہوں (۷) مجھے زمین کے خزانے دیئے گئے ہیں۔ مجھے اس بات کا تو خوف نہیں کہ تم شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے ہاں اس کا اندیشہ ضرور ہے کہ تمہیں دنیا ملے اور تم باہم لاگ ڈانٹ کرکے اسی طرح ہلاک ہو جاؤ جس طرح پہلے کی امتیں ہلاک ہوئیں"۔

تشریح:۔ (۱) ابوبکرؓ کی امامت کے تاکیدی حکم سے سب نے دیکھ اور سمجھ لیا کہ حضورؐ کے اس اشارتی فرمان کا (کہ بجز ابوبکرؓ کے کسی دوسرے پر نہ مسلمان راضی ہوں گے نہ خود حق تعالیٰ) کیا مطلب تھا۔ چونکہ مشیت الٰہی اپنے ایک فیصلہ کو اسی طرح پورا کرنے والی تھی

اسی لئے دو دفعہ تحریر لکھانے کا ارادہ حضورؐ نے فرمایا اور دونوں بار (اختیاراً یا اضطراباً) اسے ملتوی کرنا پڑا۔ (۲) استخلافِ ابوبکرؓ اور وصیت ابوبکرؓ کے اس ارادہ کو جسے حضور تحریر لکھا کرنافذ فرمانا چاہتے تھے مشیت حق اسے برابر ملتوی اسلئے کرتی رہی کہ وہ اسے تحریر سے بھی کہیں زیادہ قوی اور قابل اعتماد ذریعہ سے پورا کرنا چاہتی تھی چنانچہ حضورؐ نے ان کو بجائے اپنے امامت نماز کا حکم دے کر گویا عملاً خلافت دے دی اور اپنے سامنے ساری امت سے اس پر عمل درآمد بھی کرادیا تحریر اگر بالفرض لکھ بھی لی جاتی تو بھی صحابہ وتابعین کے بعد اس میں بھی اسی طرح کے شبہے نکالے جاتے تاویلات کی جاتیں جس طرح آج بعض صحیح اور صریح ارشادات[۱] رسولؐ میں ہم مشاہدہ کررہے ہیں۔ (۳) تمام صحابہؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی اقتدا کی نیت کر کے نماز شروع کردی تھی اس کے بعد حضورؐ تشریف لائے اور نماز پڑھائی۔ اس کی توجیہہ فقہانے بھی فقہ ظاہر میں کی ہے اور ماشاء اللہ خوب کی ہے وہ اپنی جگہ صحیح ہے مثلاً انھوں نے یہ کہا کہ نماز حضورؐ ہی نے پڑھائی۔ امام حضورؐ ہی تھے ابوبکر محض مکبّر تھے۔'' مگر چونکہ صحابہؓ اقتداء ابوبکرؓ امامت صحابہؓ کی نیت پہلے ہی کر چکے تھے جس میں کوئی تبدیلی اثناء نماز میں ہو نہیں سکتی تھی اس کے متعلق فقہاء رحمھم اللہ نے فرمایا کہ یہ مخصوصاتِ نبوی میں تھا مگر نہ ابوبکرؓ نے حضورؐ کو اپنا نائب بنایا اور نہ اپنی جگہ سے ہٹے بلکہ یہ ایک بالکل ہی نئی صورت تھی کہ امام دو حضرات تھے۔ اس کی توجیہ احقر حضرات صوفیہ صافیہ رحمھم اللہ کے طریق پر کرتا ہے۔ ہاں اس کو پیش کرنے سے قبل اتنا عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جن حضرات کے نزدیک حضورؐ کی تشریف آوری پر ابوبکرؓ کی امامت آپ سے آپ ختم اور منسوخ ہو چکی تھی ان سے مجھے یہ دو وجہ اختلاف ہے ایک یہ کہ اتفاق سے روافض بھی یہی کہتے ہیں کہ حضورؐ نے امامت فرما کر ابوبکرؓ کو امامت اور خلافت معزول فرمادیا تھا پس اس قول میں تشبیہ الروافض کی بو آتی ہے دوسرے یہ کہ حضورؐ نے اس روز کے علاوہ تین بار اور بھی صحابہؓ کی اقتدا میں نمازیں پڑھی ہیں۔ آخر ان مواقع پر حضورؐ کی

۱؎ بلکہ قرآن تک کی تاویل میں جیسے اہلبیت رسول سے صرف ذرّیت مراد لینا۔ ۱۲

تشریف لانے سے ان اماموں کی امامت کیوں نہ ختم ہوگئی ؟ اگر ان مواقع پر امام کوئی امتی اور مقتدی حضورؐ ہو سکتے تھے اور نماز درست ہو سکتی تھی تو اس موقع پر بھی ایسی رکیک تاویل کیوں کی جائے ؟

ابو بکرؓ کا ایک شرف خاص:

وہ توجیہ خاص اس احقر سے سنئے۔

داستانِ عہد گل رااز نظیری مشنوید عندلیب آشفتہ ترمیگوید ایں افسانہ را

جس طرح نبی کریم ﷺ کو کارِ نبوت تفویض کرتے وقت سیدنا جبرئیل علیہ السلام نے خود حضورؐ کو بغل میں دبوچ کر توجہ اتحادی دی تھی اسی طرح اب کارِ خلافت تفویض کرتے وقت حضرت خاتم النبیین ﷺ نے بھی ابو بکرؓ کو دراصل توجہ اتحادی ہی دینی چاہی تھی چونکہ حضورؐ کی روحانی قوت حضرت جبرئیلؑ کی قوت سے اعلیٰ تر تھی اس لئے آپؐ ابو بکرؓ کو اپنی بغل میں کھڑا کر کے خود حق تعالیٰ کی طرف ہمہ تن ہو گئے تا کہ روح کا تعلق (کنکشن) حق تعالیٰ سے جوڑ کر ادھر کے فیضان اور برقی لہر کو ابو بکرؓ تک پہنچا دیں تا کہ خلافت کے منصب جلیل کے تحمل اور اس کی استعداد ان کے اندر پیدا ہو جائے۔ حضورؐ کی یہ امامت ایک تفسیر تھی، ان اللہ معنا کی ایک اظہار تھی ابو بکرؓ اور رسولؐ کی روحانی وحدت کا۔ ایک نشان تھی دونوں کی باطنی معیت اور مکانی عینیت کا۔ پس صحابہؓ نے یہ نماز بیک وقت ابو بکرؓ کے پیچھے بھی پڑھی اور حضورؐ کے پیچھے بھی پڑھی اس کو ایک مثال سے سمجھئے۔ فرض کیجئے ایک بچہ کچھ لکھنا چاہتا ہے اور لکھ نہیں سکتا تو اس کا سرپرست قلم اس کے ہاتھ میں پکڑاتا ہے، اور دوسروں کی نگاہوں میں لکھنے والا بچہ ہی کو قرار دیتا ہے مگر غایت شفقت و محبت سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ کر لڑکے ہی سے لکھوانا چاہتا ہے۔ یہ لکھنا بیک وقت بچہ کا بھی ہے اور سرپرست کا بھی۔ اس وقت بچہ کا لکھنا عین سرپرست کا لکھنا اور سرپرست کا لکھنا عین بچہ کا لکھنا ہے۔ یہ عینیت اعتباری ہے اور یہ فنا فی الرسول کا وہ اعلیٰ ترین مرتبہ ہے جس کی تعبیر: ع۔ من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی سے کی جاسکتی ہے اور یہ

مقام بجز ابوبکرؓ کے اور کسی کو نہ مل سکا۔ (۴) حضورؐ نے اپنی حیات مبارکہ میں کل چار بار اپنے امتیوں کے پیچھے نماز پڑھی ہے اور کسی بار حضورؐ کے جماعت میں شامل ہونے سے امام اپنی امامت سے معزول نہیں ہوا۔ صحابی امام رہے اور حضورؐ مقتدی۔ ایک بار ۰۹ھ میں تبوک میں آپ نے نماز فجر عبدالرحمٰن بن عوف کے پیچھے پڑھی۔ ایک بار آپؐ کسی ضرورت سے غالباً قبا تشریف لے گئے تھے آنے میں دیر ہوئی اور نماز عصر میں ابوبکرؓ نے نماز شروع کر دی حضورؐ بعد میں آکر نماز میں شامل ہو گئے۔ ایک بار اسی واقعہ نمبر ۷ میں اور آخری چار بار واقعہ سات کے ایک دو دن بعد پھر ابوبکرؓ کے پیچھے تواریخ جیب الٰہ ص ۱۶۲) علما نے عبدالرحمٰن بن عوف اور ابوبکرؓ ہی کی اقتداء میں حضورؐ کے نماز پڑھنے کا نکتہ یہ لکھا ہے کہ یہ دونوں حضرات اللہ کی راہ میں مال بہت خرچ کرتے تھے اور مال میں اپنے کو خدا کا امین سمجھتے تھے رضی اللہ عنہما (نکتہ) اس نماز کے بعد حضورؐ نے جو نمازیں پڑھیں وہ حجرہ کے اندر اور بیٹھ کر پڑھی ہوں گی اور کیا عجب ہے کہ حجرے کے اندر یہ سہی مگر جماعت میں شامل ہو کر ابوبکرؓ کی اقتدا میں پڑھی ہوں، صحابہؓ کی نظروں کے سامنے نہ ہونے کی وجہ سے اس کا علم اور چرچا نہ ہو سکا ہو۔

روز دہم و یازدہم، جمعہ و شنبہ

۹-۱۰/ ربیع الاول ۱۱ھ مطابق ۵-۶/ جون ۶۳۲ء

واقعہ (۸) حضور اکرم ﷺ کی تکلیف بڑھ رہی تھی۔ حضرت عباسؓ انصارؓ کی ایک مجلس کے پاس سے گذرے تو دیکھا کہ انصار رو رہے ہیں۔ پوچھا کیوں رو رہے ہو؟ کہنے لگے۔ حضورؐ کے یہاں کی حاضری یاد آتی ہے۔ ان دنوں محروم ہیں۔ حضرت عباسؓ نے آکر حضورؐ سے اس کا ذکر کیا۔ تو حضورؐ نے سر میں پٹی باندھی اور باہر تشریف لا کر منبر پر بیٹھے۔ خبر پھیلی تو انصار فوراً مسجد میں جمع ہونے لگے۔ (اس کے بعد آپ منبر پر جلوہ افروز نہیں ہو سکے) پہلے آپ نے خدائے تعالیٰ کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا "اے لوگو! دیکھو انصارؓ کا بہت زیادہ خیال رکھنا۔ یہ میرے دل

دجگر ہیں۔ ان کے کرنے کا جو کام تھا یعنی امدادِ رسول و مہاجرین، اسے انھوں نے خوب پورا کیا۔ اب ان کا حق تم سب کے ذمہ ہے۔ ان کے نیکو کاروں کے عمل کو قبول کرنا اور قدر کرنا اور ان کے خطا کاروں سے درگذر کرنا۔'' (بخاری)

واقعہ: (۹) حضرت اسامہؓ آپ کو دیکھنے آئے اس وقت تکلیف کی شدت سے زبان مبارک قابو میں نہ تھی۔ آپ نے اسامہؓ کو پاس بلا کر ان کے سر پر دست مبارک پھیرا اور دو تین بار آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر پھر اسامہؓ کے سر پر رکھا گویا دعا دی، پھر رخصت کرنے کا اشارہ کیا۔ وہ رخصت ہو کر مدینہ سے باہر فوج سے جا ملے۔

واقعہ (۱۰) شام تک فوج روانہ نہیں ہوئی تھی کہ اسامہؓ کی والدہ امِ ایمن نے اسامہؓ کے پاس کہلا بھیجا کہ حضورؐ کی حالت زیادہ خراب ہوتی جا رہی ہے، اس لئے دو تین دن سفر ملتوی کر دو یہی مصلحت ہے چنانچہ وہ رُک گئے اور فوج بھی جرف میں رکی رہی۔

روز دوازدہم، یکشنبہ

۱۱/ربیع الاول ۱۱ھ مطابق ۷/جون ۶۳۲ء

واقعہ (۱۱) زہر کی سمیت، حضورؐ کی رگوں کے اندر خون تک پہنچ چکی تھی جس سے بخار بڑھتا جاتا تھا یہاں تک کہ آپ جو چادر اوڑھے ہوئے تھے اس سے گرمی کی لپٹیں نکل کر دوسروں کو محسوس ہو رہی تھیں۔ آپ نے ٹھنڈے پانی کا پیالہ بھر کر اپنے پاس رکھ لیا اور بار بار اس میں ہاتھ ڈال کر چہرے پر ملتے کہ کچھ ٹھنڈک ملے۔

واقعہ (۱۲) حضرت عباسؓ نے یا ازواج میں سے کسی نے کہا کہ حضورؐ کو ذات الجنب (پسلی) کی بیماری معلوم ہوتی ہے اس لئے آپ کو لدود کرنا (منہ میں ایک جانب سے دوا انڈیلنا) چاہئے آپ کو اس وقت غشی آگئی تھی اور زبان بھی قابو میں نہ تھی آپ نے اشارہ سے ہر چند منع کیا مگر لوگوں نے آپ کے منہ میں دوا انڈیل ہی دی جب آپ کو افاقہ ہوا تو آپ نے فرمایا۔ ''ذات الجنب

کا مرض شیطان کے اثر سے ہوتا ہے یہ مرض نبیوں کو نہیں ہوتا اس لئے جس جس نے مجھے لدود کرنے کا مشورہ دیا ہے ان سب کے منہ میں اسی طرح دوا انڈیلی جائے (تاکہ ناگواری کا انتقام میں خود لے لوں اور اس طرح لوگ مواخذہ خداوندی سے محفوظ رہیں) چنانچہ سوا حضرت عباسؓ کے اس وقت کے تمام حاضرین کے منہ میں دوا انڈیلی گئی حتیٰ کہ سیدہ میمونہؓ روزہ سے تھیں ان کو بھی دوا پلائی گئی۔

واقعہ (۱۳) حضرت ابوبکرؓ نماز ظہر پڑھا رہے تھے حضورؐ کو مرض میں کچھ افاقہ محسوس ہوا تو آپ نے دو صحابہؓ عباسؓ و علیؓ کے سہارے مسجد میں تشریف لے گئے۔ ابوبکرؓ اپنی جگہ سے ہٹنے لگے تو آپ نے اشارہ سے ان کو روکا اور صف میں شامل ہو کر ابوبکرؓ کے پیچھے نماز پڑھی (تواریخ حبیب اللہ ص ۱۶۱) نماز کے بعد آپ حجرہ میں تشریف لے گئے۔

تشریح:۔ (۱) حضورؐ کا یہ فعل ابوبکرؓ کو اپنا وصی، ولیعہد، خلیفہ اور امت کا امام بنانے کے سلسلے میں چوتھا اور نہایت موثر قدم تھا کہ ابوبکرؓ کے پیچھے نماز پڑھ کر ابوبکرؓ کی ولی عہدی کو نہایت درجہ مستحکم و مؤکد کر دیا۔ پہلے زنانخانہ میں ان کی ولی عہدی کی تحریر لکھانے کا ارادہ کیا پھر صحابہؓ کے مجمع میں حضرت علیؓ کو ابوبکرؓ کی ولی عہدی کی تحریر لکھانے کے لئے بلایا مگر دونوں بار تحریر ملتوی ہو گئی۔ پھر عمرؓ کو امامت[1] سے ہٹا کر ابوبکرؓ کو تمام صحابہ پر اپنی جگہ امام بنایا۔ پھر صحابہ سے ابوبکرؓ کی اقتدا کرا کے خود نماز پڑھا دی اب خود بھی ان کے پیچھے نماز پڑھ کر صحابہؓ کو دکھلا دیا کہ میں نے اپنے بعد نصب امام کا حکم الٰہی نافذ کر دیا۔ (۳) رسولؐ کے وصی اور خلیفہ بلافصل یعنی ابوبکرؓ نے امت کو کتنی نمازیں پڑھائیں؟ اس کے متعلق زیادہ مشہور قول سترہ (۱۷) وقتوں کا ہے مگر ایک قول اکیس وقتوں کا (اصح السیر ص ۵۷۷) اور ایک قول چالیس وقتوں کا بھی ہے (اصح السیر ص ۵۷۶)

واقعہ (۱۴) حضورؐ کو بخار بھی تیز تھا اور درد کی تکلیف بھی زیادہ تھی۔ آپؐ بار بار پانی میں ہاتھ ڈال

---

[1] مسند احمد میں ہے "حضرت عمرؓ نے جو نماز شروع کی تھی اُس کو توڑا نہیں تھا بلکہ نماز پوری کی تھی" مگر میرے نزدیک بخاری کی روایت زیادہ صحیح اور معتبر ہے۔ ۱۲ اس

کر چہرہ پر ملتے مگر تکلیف کی شدت سے چہرۂ مبارک پر ایک رنگ آتا تھا اور ایک جاتا تھا۔ یہ دیکھ کر سیدہ فاطمہ رو کر کہنے لگیں:

''ہائے ابا کو کیسی تکلیف ہے!'' حضورؐ نے فرمایا بس آج کے بعد سے تمھارے ابا کو تکلیف نہ ہوگی۔'' یہ سن کر وہ بیتاب ہوگئیں تو حضورؐ نے ان کو قریب بلایا اور چپکے سے فرمایا۔ ''جبریلؑ نے اس سال رمضان میں مجھ سے قرآن شریف کا دور دو بار کیا ہے، اس سے مجھے یقین ہے کہ میں اسی بیماری میں خدا سے جاملوں گا۔'' یہ سن کر سیدہ فاطمہؓ اور بھی بیتابی سے رونے لگیں تو حضورؐ نے دوبارہ ان کو قریب بلا کر ان کے کان میں چپکے سے فرمایا۔ ''(تم پریشان نہ ہو) میرے گھرانہ میں تم ہی سب سے پہلے آکر مجھ سے ملوگی۔''

یہ سن کر آپ ہنسنے لگیں۔ ازواج مطہرات نے سیدہ فاطمہؓ سے پوچھا کہ حضورؐ نے دونوں بار کیا کہا کہ تم پہلے رودیں پھر ہنسنے لگیں۔ سیدہ فاطمہؓ نے حضورؐ کا راز بتانے سے انکار کردیا۔ البتہ حضورؐ کی رحلت کے بعد فاطمہؓ نے حضورؐ کی فرمائی ہوئی یہ باتیں سیدہ عائشہؓ کو بتائیں۔ (بخاری)

تشریح:۔ (۱) حضورؐ کی دوسری سرگوشی کے مضمون میں دو روایات ہیں۔ ایک یہ کہ میرے گھرانہ میں تمھیں سب سے پہلے مجھ سے آکر ملوگی۔'' دوسری یہ کہ ''کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تم جنتی مسلمانوں کی بیبیوں کی سردار بنو۔'' میرا ذوق پہلی روایت کو صحیح اور قرین عقل سمجھتا ہے میرے نزدیک سیدہ فاطمہؓ کو غم خاتم النبیینؐ اور محترم والد کے فراق کا ہو رہا تھا اس کو مسرت اور ضحک وتبسم میں تبدیل کرسکنے والی خبر یہ ہرگز نہیں ہوسکتی کہ کیا تم جنتیوں کی بیبیوں کی سردار ہونے پر راضی نہیں۔ ہاں غم فراق کا دباؤ کم کرنے والی خبر یہ ہوسکتی ہے کہ تم مجھ سے جلد ملوگی۔

حاکم نے اپنے مستدرک میں روایت کی ہے کہ جنتیوں کی بیبیوں کی سردار چار خواتین ہوں گی۔ (۱) سیدہ آسیہؓ زوجۂ فرعون (۲) سیدہ مریمؑ والدۂ سیدنا عیسیٰؑ (۳) سیدہ خدیجہؓ (۴) سیدہ فاطمہؓ۔ (دیکھو مرقات شرح مشکوٰۃ ج۵ ص ۶۶۵)

روز سیز دہم دوشنبہ

۱۲؍ربیع الاول ۱۱ھ مطابق ۸؍جون ۶۳۲ء

واقعہ (۱۵) صحابہ فجر کی نماز ابوبکرؓ کی اقتدا میں پڑھ رہے تھے قرأت کی آواز جب حضورؐ کے گوش مبارک میں پہنچی اس وقت حضورؐ کی طبیعت کچھ بحال ہوگئی تھی۔ آپ نے حجرہ کا پردہ اٹھایا۔ صحابہؓ کو جو یہ آہٹ ملی تو وہ یہ سمجھے کہ حضورؐ مسجد میں آنا چاہتے ہیں تو حجرہ کے دروازہ کے متصل صحابہؓ میں کچھ ہلچل سی ہونے لگی۔ لوگ ہٹنے اور حضورؐ کیلئے جگہ نکالنے لگے۔ آپ نے اشارہ سے ان کو روکا، اور صحابہؓ کو (سکون سے نماز میں مشغول اور اپنے نائب کی امامت میں مطمئن) دیکھ کر مسکرائے پھر پردہ گرادیا۔ (بخاری)

تشریح:۔ (۱) ابوبکرؓ کو اپنا خلیفہ بلا فصل بنانے کے سلسلہ میں حضورؐ کا یہ پانچواں اور آخری عمل تھا یہ نظارہ دیکھ کر آپؐ بہت مسرور ہوئے کہ ابوبکرؓ پر تمام مسلمان بھی راضی ہیں اور خدا تعالیٰ بھی۔ اور ابوبکرؓ کو سب نے پورے سکون اور رضا سے میرا نائب وقائم مقام اور اپنا مقتداء وامام تسلیم کرلیا اور حضورؐ نے سوچا کہ دین کا کام جس طرح اس وقت میرے نائب کے ذریعہ بحسن وخوبی چل رہا ہے اسی طرح امید ہے کہ میرے بعد بھی سکون سے چلے گا۔ (۲) ایک زندہ ملت میں بے شمار مسائل پیش آتے ہیں بعض وقت ایسے عجلت طلب مسائل بھی پیش آجاتے ہیں جن کا انتظام فوراً کرنا اور جلد کرنا ضروری ہوتا ہے۔ مورخوں نے حضورؐ کی علالت کے دوران میں کسی ایسے اہم کام کے پیش آنے کا اور ابوبکرؓ کے کسی مقدمہ کے فیصلہ کرنے کا یا کسی کو عبادات ومعاشرت وغیرہ کے مسائل بتانے کا کوئی ذکر ہی نہیں کیا۔ مگر میرا ذوق کہتا ہے کہ جب تک حضورؐ کو افاقہ رہا ہوگا اس وقت تک تو ایسے امور ومسائل میں حکم اور فیصلہ خود حضور اکرم ﷺ ہی ارشاد فرماتے ہوں گے لیکن حضورؐ کی غشی یا سخت کرب وبے چینی کی حالت میں اگر کوئی صورتحال عجلت طلب پیش آئی تو اس کا فیصلہ بھی ابوبکرؓ ہی (صحابہؓ سے مشورہ کے بعد) کرتے ہوں گے۔ اگر یہ میرا قیاس

صحیح ہے تو پھر یہ سمجھنا چاہئے کہ جس طرح حضورؐ نے اپنی حیات میں ابوبکرؓ کو نماز کی امامت کی مشق کرادی اسی طرح حضورؐ نے اپنے سامنے یہ ابوبکرؓ سے بعض مسائل ومعاملات میں امت کو احکام بتانے کی ٹریننگ اور مشق بھی کرادی اور صحابہؓ پورے سکون اور رضا سے ابوبکرؓ کی ماتحتی میں دین وملت کی ترقی کے کام کرنے لگے تھے اور سب کو ارشاد کی تصدیق حاصل ہوگئی تھی کہ ''........ابوبکرؓ کے سوا کسی پر نہ خدا راضی ہوگا اور نہ مسلمان۔'' اور اس صورت میں ابوبکرؓ کی امارتِ مسلمین اور خلافت سید المرسلینؐ کا کام ۱۴ ربیع الاول ۱۱ھ سے نہیں بلکہ ۲۸ صفر سنہ ۱۱ھ ہی سے شروع ہوجاتا ہے۔

واقعہ (۱۶) دن خوب چڑھ لیا۔ حضورؐ کی طبیعت آج کچھ بحال تھی۔ (بعد میں ثابت ہوا کہ طبیعت کی یہ بحالی موت کا سنبھالا تھی) حضرت علیؓ حضورؐ کی عیادت کرکے جب حجرہ سے نکلے تو لوگوں نے ان سے حضورؐ کی احوال پرسی کی۔ انھوں نے فرمایا۔ ''خدا کا شکر ہے آج صبح سے حضورؐ کی طبیعت بہت اچھی ہے۔'' (بخاری) یہ کہہ کر حضرت علیؓ اپنے کام سے یا گھر چلے گئے۔ اسی طرح ابوبکرؓ نے بھی بحالی دیکھ کر حضورؐ سے اجازت لی کہ میں ذرا اپنی سسرال مقام سخ ہو آؤں اور اپنی زوجہ کو دیکھ آؤں۔ حضورؐ نے اجازت دے دی اور وہ سوار ہوکر ادھر چلے گئے۔ حضورؐ کچھ دیر بیٹھے صحابہؓ سے باتیں کرتے رہے۔ بہت سے اصحابؓ حضورؐ کی مزاج پرسی کو آئے تھے سب حضورؐ کو بحال پاکر یکے بعد دیگرے اپنے اپنے گھر یا کام پر جانے لگے۔

واقعہ (۱۷) حضورؐ کو یکایک یاد آیا کہ سات دینار جو صبح کو آئے تھے وہ ابھی تک گھر میں موجود ہیں۔ اس لئے آپ نے چونک کر سیدہ عائشہؓ سے وہ دینار منگائے اور فوراً فقراء پر تقسیم کرادیے اور فرمایا کہ کہیں مجھ سے باز پرس نہ ہو کہ میں اس حال میں خدا سے ملا کہ میرے گھر میں دنیا تھی''۔

واقعہ (۱۸): حضورؐ کے چچا حضرت عباسؓ بھی مزاج پرسی کو آئے، انھوں نے عرض کیا کہ ''میں نے خواب دیکھا ہے ہ چاند زمین پر تھا وہ آسمان پر اٹھالیا گیا (دوسری روایت میں یوں ہے کہ زمین مضبوط رسیوں سے باندھ کر اٹھائی جارہی ہے) حضورؐ نے فرمایا ''وہ تمہارا بھتیجا ہے''۔ یعنی تعبیر یہ ہے کہ اب میں اٹھالیا جاؤں گا۔ (سیرۃ الحلبیہ ج ۳ ص ۳۸۸)

واقعہ (۱۹): حضرت عباسؓ نے حضورؐ کے پاس سے باہر نکل کر حضرت علیؓ کو ڈھونڈھا اور ان

کا ہاتھ پکڑ کر علٰحدہ لے گئے اور کہا ''بخدا میں دیکھ رہا ہوں کہ تین دن کے بعد تم عُبید العصا (ڈنڈوں کے غلام اور دوسروں کے زیر اقتدار) ہو جاؤ گے۔ حضورؐ اس مرض سے اچھے نہ ہوسکیں گے۔ میں خاندانِ عبدالمطلب کے چہروں کو پہچانتا ہوں کہ موت کے وقت کیسے ہو جاتے ہیں۔ چلو اسی وقت حضورؐ سے پوچھ لیں کہ آپکے بعد آپ کا جانشین کون ہوگا؟ اگر حضورؐ ہم لوگوں کو فرمائیں گے تو ہمیں اس کا علم ہو جائے گا اور اگر حضورؐ نے کسی اور کو فرمایا تو ہم حضورؐ سے اس معاملہ میں (اپنے مستحق تر ہونے کے بارہ میں) گفتگو کریں گے۔'' حضرت علیؓ نے فرمایا ''میں تو پوچھنے نہیں جاؤں گا کیونکہ اگر حضورؐ نے اس وقت انکار کر دیا تب تو پھر کوئی صورت ہی نہ ہوسکے گی کہ ہم جانشین ہوسکیں''۔ (بخاری)

تشریح:۔ (۱) حضرت عباسؓ نے ابوبکرؓ کی مسلسل امامتِ نماز سے قیاس کیا ہوگا کہ رسول ہاشمی کی خلافت اب شاید ابوبکرؓ تیمی کو ملیگی اور سب ان کے ماتحت ہوں گے۔ (۲) یہ دونوں حضرات عرب و عجم غرض ہر جگہ کے رواج وراثت کو دیکھتے ہوئے دیانتداری سے یہ رائے رکھتے تھے کہ کسی کی جانشینی اسکے خاندان والوں ہی میں محدود رہنی چاہیئے اور حکومت موروثی ہونی چاہیئے یہی نظریہ ہر جگہ شائع تھا۔ اسلام جو اصول وراثت یہ مقرر کرنا چاہتا تھا کہ اِنَّ اکرمکم عند اللّٰہ اتقاکم اور اِنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصَّالِحُوْنَ اس کا تصور اور وہم بھی ان حضرات کو نہ تھا اسلئے یہ کوئی تعجب یا اعتراض کی بات نہ تھی۔ اس سلسلہ میں پہلی ہدایت نبوی غالباً وہی ہوتی ہے جو حضورؐ نے زنانخانہ میں ابوبکرؓ کی ولی عہدی کی وصیت لکھانے کے متعلق سوچی تھی۔ مگر وہ تحریر لکھی نہ جاسکی اسلئے منشاءِ خدا اور رسول کا علم ان حضرات کو نہ ہوسکا البتہ قابلِ تعجب بلکہ لائق ماتم حالت ان مصنفین کی ضرور ہے جو امیر معاویہؓ پر بھی اعتراض کرتے ہیں کہ انھوں نے حکومت کو موروثی بنا دیا حالانکہ بقول شاہ عبدالعزیز دہلوی سیدنا علیؓ نے بھی اپنے بعد سیدنا حسن کو خلیفہ بنانے کا اشارہ کر دیا تھا۔ (سُتر الجلیل)

واقعہ (۲۰): اب بخار پھر تیز ہوا، غشی پھر ہونے لگی۔ اتنے میں عبدالرحمانؓ بن ابوبکرؓ مسواک کرتے ہوئے عیادت کو آئے۔ حضورؐ چونکہ خود مسواک بہت استعمال فرماتے تھے اس لئے آپ

نے مسلسل مسواک کی طرف دیکھنا شروع کیا حضرت عائشہؓ سمجھ گئیں پوچھا:۔
"کیا آپ مسواک کرنا چاہتے ہیں"؟ زبان قابو میں نہیں تھی تو سر سے اشارہ فرمایا کہ ہاں۔ سیدہ عائشہؓ نے مسواک ان سے لے کر دھو کر حضورؐ کو دی مگر حضورؐ کا دست مبارک بھی مشکل سے حرکت کرسکتا تھا تو سیدہ عائشہؓ نے اپنے ہاتھ میں مسواک لیکر حضورؐ کے منہ میں دی مگر حضورؐ اسے دانتوں سے بھی دبا کر کوچ نہیں سکتے تھے تو عائشہ نے عرض کیا۔ "کیا میں اسے کوچ کر آپ کے لئے نرم کردوں؟" آپ نے اشارہ کیا ہاں تو عائشہؓ نے اسے اپنے دانتوں سے کوچ کوچ کر خوب نرم کر دیا اور پھر اپنے ہی ہاتھ سے حضورؐ کے دہان مبارک میں اسے ہر طرف گھما پھرا کر دانت اور منہ کو خوب صاف کر دیا۔

تشریح:۔ سیدہ عائشہؓ اس پر برابر فخر کرتی تھیں کہ جب حضورؐ کا تعلق اس دنیا سے ختم اور آخرت سے تعلق شروع ہو رہا تھا اس وقت میرا تھوک حضورؐ کے تھوک سے ملا تھا اور آپ نے میرے ہی حجرہ میں میری ہی باری کے دن اس حال میں انتقال فرمایا کہ آپ کا سر مبارک میرے سینہ اور میرے پھیپھڑے کے درمیان تھا۔ (۲) عائشہ کو یہ شرف اسلئے بھی ملا کہ دنیا زوجہ و ذریت کا فرق دیکھ لے اور زوجہ ہی کو اہلیت مانے۔

واقعہ (۲۱): چونکہ حضورؐ کو بےچینی بہت تھی اور بخار بھی تیز تھا اسلئے آپ گھبرا کر پانی میں بار بار ہاتھ ڈبوتے اور چہرۂ مبارک پر ملتے تھے۔ سیدہ عائشہؓ نے آپ کا داہنا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اس پر ہاتھ پھیر پھیر کر حضورؐ سے سنی ہوئی یہ دعا پڑھ کر آپ پر دم کرنے لگیں۔ "اَذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ اِشْفِ وَاَنْتَ الشَّافِي لَاشِفَاءَ اِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا" تو حضورؐ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور کانپتے ہوئے ہونٹوں اور لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے فرمانے لگے: رَبِّ اغْفِرْلِي وَاجْعَلْنِي فِي الرَّفِيْقِ[۱] الْاَعْلٰى۔

---

[۱] حصن حصین شریف کی شرح میں اس مقام پر ملا قاری لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ بھی اپنی حالت نزع میں یہی کلمات دہراتے تھے۔ انتہی۔ صدیق اکبرؓ کو حضورؐ سے جو معیت روحانی حاصل تھی اس کا ظہور چند مواقع پر ہوا۔ (۱) غار میں۔ (۲) مدینہ پہونچکر لوگ ابوبکرؓ کو یارسول اللہ کہہ کر سلام کرتے اور یہ ان سے مصافحہ کرتے جواب دیتے۔ حضورؐ نے دیکھنے سننے پر بھی منع نہیں فرمایا۔ (۳) فتنۂ رؤت میں۔ (۴) اساریٰ بدر کے فیصلہ میں اور یہاں ۱۲۔

تشریح:۔ سیدہ عائشہؓ سمجھ گئیں کہ اب حضورؐ ہم میں نہیں رہنا چاہتے اور اس وقت شفا مطلوب ہی نہیں اس وقت تو لقاءِ رب اور رفیق اعلیٰ کی رفاقت ہی مطلوب ہے۔

واقعہ (۲۲): ابھی بعض وہ صحابہؓ جو صبح کو حضورؐ کی طبیعت کی بحالی سن کر عیادت اور زیارت کو آئے تھے مسجد میں بیٹھے ہی تھے دن بہت کچھ ڈھل چکا تھا کہ حضرت جبرئیلؑ نے حاضر ہو کر حق تعالیٰ کا سلام پہونچایا اور عرض کیا کہ حق تعالیٰ نے میرے ساتھ عزرائیلؑ کو بھی بھیجا ہے کہ آپ جیسا حکم دیں وہ اس کی تعمیل کریں۔ اگر آپ قبضِ روح کی اجازت دیں تو یہ روح قبض کریں ورنہ نہیں۔ حضورؐ نے فرمایا ''میں تو اب رفیق اعلیٰ سے ملنا چاہتا ہوں اس لئے اے عزرائیل تم اپنا کام کرو''۔ اس پر انھوں نے قبضِ روح کا کام کرنا شروع کیا۔ (حضورؐ کے قویٰ چونکہ مضبوط تھے اس لئے) حضورؐ کو بہت بیچینی تھی۔ چہرۂ مبارک پر ایک رنگ آتا تھا ایک جاتا تھا غشی پھر طاری ہونے لگی۔ یہ دیکھ کر ازواجِ مطہرات پھر حضورؐ کے گرد جمع ہونے لگیں۔ سیدہ عائشہؓ یہ تغیر حال دیکھ کر گھبرا گئیں اور انھوں نے فوراً محلّہ سُخ میں سالم نام غلام کو بھیج کر اپنے والد ابوبکرؓ کو بلوایا۔ سیدہ فاطمہؓ نے بھی سیدنا علیؓ کو اور سیدہ حفصہؓ نے سیدنا عمرؓ کو بلوایا مگر قبضِ روح تک کوئی نہ آسکا۔ یہاں حضورؐ کی حالت زیادہ بگڑتی گئی اور آپ کی زبان مبارک سے دو ہی کلمے برابر نکلتے رہے ایک ''الرفیق الاعلی'' اور دوسرا ''الصلوۃ و ماملکت ایمانکم''

تشریح:۔ (۱) اس میں اختلاف ہے کہ حضورؐ کی زبان مبارک سے آخری کلمہ کیا نکلا۔ بعض نے پہلے جملے کو آخری کلمہ بتایا ہے۔ اور بعض نے دوسرے جملے کو۔ میرے ذوق کو دوسرا قول صحیح معلوم ہوتا ہے۔ حضورؐ کا قلب مبارک تو ہر وقت تو خصوصاً علالت میں حق تعالیٰ کی طرف لگا رہتا تھا۔ اس لئے الرفیق الاعلیٰ تو حضورؐ کا حال اور مقام تھا ہی۔ اس میں شک نہیں کہ یہ کلمہ حضورؐ کے عروج کی حالت کی طرف اشارہ کرتا ہے جو ولایت کا اعلیٰ درجہ ہے مگر چونکہ حضورؐ سید المرسلین اور سید النبیین تھے اور آپ کی نبوت آپ کی ولایت پر برابر غالب رہی ہے۔ تو نبوت کے مناسب نزول ہی ہے۔ جس کا درجہ عروج سے باہر ہے۔ اس لئے حضور کی شان اعلیٰ اور منصب ختم رسالت کے مناسب اس وقت آخری حالت نزول کی حالت اور آخری کلمہ الصلوٰۃ و ما ملکت ایمانکم کا جملہ ہی معلوم ہوتا

ہے واللہ اعلم (۲) آخری ارشاد میں حضورؐ نے الصلوۃ کہہ کر تو امت کو حقوق اللہ کی تاکیدی ہدیت فرمادی اور "وما ملکت ایمانکم" فرماکر حقوق العباد کی ادائیگی کی طرف اہتمام سے توجہ دلادی۔ اس طرح آخری وقت میں پوری شریعت کی تعلیم دو کلموں میں دے کر دریا کو کوزے میں بند کردیا۔ اَللّٰھُمَّ فَصَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰی سَیِّدِنَامُحَمَّدٍ هَادِیْ سُبُلِ السَّلَامِ۔

واقعہ (۲۳) یکا یک حضورؐ کی نظر مبارک چھت پر لگ گئی۔ جسم بوجھل ہونے لگا کہ سیدہ عائشہؓ کو تحمل دشوار ہوگیا۔ اور وہ سمجھ گئیں کہ روح مبارک رفیق اعلیٰ سے جاملی۔ تو انھوں نے اِنَّـا لِلّٰـهِ پڑھ کر سر مبارک اپنی گود سے اتار کر آہستہ سے زمین پر رکھ دیا۔ اور چادر اڑھادی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ ٥ ازواج مطہرات غایت صدمہ سے بیتاب ہوگئیں۔ مگر سب نے حضورؐ کی تعلیم (اَلصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْاُوْلٰی) پر عمل کرنے کے لئے انتہائی صبر وضبط سے کام لیا۔ نہ نوحہ کیا نہ بین کیا نہ صف ماتم بچھائی نہ رونے والیوں کو بلایا بلکہ آنکھوں سے آنسو بہاتی اور زبانوں سے اِنَّـا لِلّٰهِ پڑھتی رہیں۔ اس سے یکا یک ایک شور سا بلند ہوگیا۔ مسجد نبویؐ میں جو صحابہؓ موجود تھے وہ حجرۂ عائشہ کی طرف دوڑ پڑے کہ ابھی تو حضورؐ کو افاقہ تھا اب یہ کیا ہوا؟ بعضوں نے سمجھا کہ شاید غشی کا دورہ یکا یک پھر پڑ گیا۔ سب سے پہلے حضرت عباسؓ لپکے اور پردہ کرا کے حجرہ مبارکہ میں گئے۔ حضورؐ پر چادر اڑھائی دیکھ کر سمجھ گئے کہ حضورؐ اپنے رب سے جاملے۔ اِنَّا لِلّٰهِ۔ پڑھتے ہوئے نمناک آنکھوں اور غمناک چہرے کے ساتھ باہر آئے۔ اور مسجد میں صحابہؓ کا جو مجمع اکٹھا اور منتظر تھا ان کو اطلاع حضرت عباسؓ ہی نے دی۔ یہ وقت سہ پہر کا تھا۔ (تواریخ حبیب الہٰ ص ۱۷۶۔ اصح السیر ص ۵۷۹) آن کی آن یہ خبر سارے مدینے میں پھیل گئی۔

تشریح:۔ (۱) جس وقت روح مبارک نے پرواز کی عین اس وقت حجرۂ عائشہؓ میں مرد کوئی بھی نہ تھا۔ حجرہ میں جملہ اہل بیت قرآنی یعنی ازواج مطہرات امہات المومنین رضی اللہ عنہن تھیں اور اہل بیت حدیثی میں سے صرف سیدہ فاطمہ تھیں۔ مسجد نبوی میں خود صحابہؓ البتہ موجود تھے۔ (۲) وفات نبوی کے بعد سب سے پہلے مرد حضرت عباسؓ جسد اطہر کے پاس گئے انھیں نے مسجد میں آکر صحابہؓ کو اطلاع دی۔ (۳) اگرچہ ازواج رسولؐ امت کی مائیں تھیں پھر بھی احکام ستر وحجاب ان کیلئے بھی تھے۔ قرآن میں ہے کہ "اے صحابہؓ رسولؐ! ازواج رسول سے اگر تم کوئی چیز مانگنا چاہو تو پردے کی آڑ سے مانگنا" اور حدیث میں

ہے کہ ''اے عائشہؓ وام سلمہؓ اگر عبداللہ بن ام مکتوم نابینہ ہیں تو تم تو نابینہ نہیں ہو اس لئے تم ان سے بھی پردہ کرو۔'' اس لئے حضرت عباسؓ ہوں یا ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ وعلیؓ یہ سب پردہ کرا کے اجازت لے کر حجرات نبویؐ میں جاتے تھے۔

واقعہ (۲۴) سیدہ فاطمہؓ کے بلانے پر سیدنا علیؓ اور سیدنا حفصہؓ کے بلانے پر سیدنا عمرؓ اور ان کے ساتھ سیدنا مغیرہؓ بن شعبہ حجرہ مبارک پر آئے۔ حضرت عمرؓ نے آواز دے کر سیدہ عائشہؓ سے حضورؐ کا حال پوچھا۔ انھوں نے اس سانحہ جانفرسا کی اطلاع دی۔ حضرت عمرؓ کا دل اس خبر کو کسی طرح قبول نہیں کرتا تھا۔ انھوں نے اس کو سچ نہیں سمجھا اور جب حضرت مغیرہ نے حضورؐ کے انتقال وارتحال کی تصدیق کی اور تسلیم کر لیا تو حضرت عمرؓ ان سے جھگڑنے لگے کہ ''نہیں انتقال نہیں فرمایا ہے۔ بلکہ اپنے رب سے ملنے گئے ہیں۔ جیسے حضرت موسیٰؑ طور پر جاتے تھے۔ ابھی تو دین کے بہت سے کام کرنے کو باقی ہیں۔ سنو، جو شخص حضورؐ کی اس حالت کو موت اور وفات کہے گا میں اسے قتل کر دوں گا۔'' حضرت عثمانؓ نے جونہی یہ خبر سنی ان کو سکتہ ہو گیا۔ نہ کسی سے بولنا نہ چالنا نہ حس وحرکت۔ حضرت علیؓ کا بھی بجنسہ یہی حال ہو گیا گویا زبان سے گویائی اور جسم سے حرکت سلب ہو گئی۔ (سرور المحزون) حضرت عبداللہ بن انیس نے جیسے ہی یہ خبر سنی ان کے قلب کی حرکت[1] بند ہو گئی۔ اور ان کا انتقال ہی ہو گیا۔ (اصح السیر ص ۵۸۱) بقیہ صحابہؓ پر بھی گویا بجلی سی گر پڑی کوئی رو رہا تھا کوئی بدحواس تھا، کوئی آہیں بھر رہا تھا، سیدہ فاطمہؓ (''وَ اَبَتَاہ ! اِلیٰ جبرئیل ننعاہ الخ'') وغیرہ کہہ کر حضورؐ کے فضائل کا ذکر اور یاد تازہ کر رہی تھیں۔ غرض تمام لوگ اسی طرح شدت غم سے بدحواس تھے کہ دروازے کے بازو سے ایک آواز اس طرح آئی کہ کہنے والا نظر نہیں آ رہا تھا۔ ''اے حاضرین! تم پر اللہ تعالیٰ کا سلام ورحمت اور برکتیں ہوں۔ سنو اللہ کی کتاب میں تسلی (کا کلمہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ موجود) ہے۔ اس میں ہر آفت ومصیبت سے تسلی ہے اور ہر وفات پانے والے کا عوض ہے۔ اور ہر گم ہونے والی چیز کا تدارک ہے تو تم لوگ صرف اللہ ہی کا بھروسہ رکھو، اور اسی سے آسرا لگاؤ۔ آفت زدہ شخص وہ ہے جو ثواب سے محروم ہو۔ (آپ

---

[1] صحابہؓ کی طرح صحابیاتؓ کو بھی حضورؐ سے ایسی ہی محبت تھی حکایات الصحابہ میں ہے کہ ایک صحابیہؓ نے آ کر سیدہ عائشہ سے کہا کہ میں حضورؐ کی قبر شریف کی زیارت کرنا چاہتی ہوں سیدہ عائشہ ان کو لیکر قبر شریف کے پاس آئیں جیسے ہی انھوں نے قبر شریف دیکھی چیخ مار کر گر پڑیں اور انتقال کر گئیں رضی اللہ عنہما۔

لوگ تو اسی کلمہ کو پڑھ کر ثواب حاصل کر رہی ہیں)۔'' آواز ختم ہوئی لوگ بولنے والے کو تلاش کرنے لگے تو حضرت ابوبکرؓ و علیؓ نے فرمایا '' آپ لوگ کچھ سمجھے بھی؟ کہ یہ کون بول رہا تھا؟ یہ حضرت خضرؑ تھے۔ آپ کو تسلی دینے آئے تھے۔ (حصن حصین ص ۱۴۸ از مستدرک حاکم)۔

تشریح:۔ (۱) حضرات صحابہؓ کو ایک تو حضورؐ سے بیحد محبت تھی دوسرے خبر ارتحال شائع ہونے سے کچھ ہی دیر قبل حضورؐ کی حالت بہتر دیکھ چکے تھے۔ تیسرے ان کو بعض امور مثل اہلاک منافقین۔ ارشاد و تعلیم صحابہ کے مطابق انتظار اور یقین تھا کہ ابھی یہ سب کام باقی ہیں اور حضورؐ ہی کو انھیں کرنا چاہئے۔ ان اسباب کی بنا پر اس خبر نے ان پر ایسا اثر کیا کہ گویا حواس ہی بیکار ہو گئے تھے۔ ہم لوگ چونکہ ان کی محبت رسولؐ کے انتہائی درجے کا اندازہ نہیں کر سکتے اس لئے ہم کو صحابہؓ کے اس تغیر حال پر تعجب ہوتا ہے۔ (۲) اگرچہ غم سب کو تھا مگر مردوں میں صرف حضرات عباسؓ اور ابوبکرؓ کے ہوش وحواس برجا تھے۔ اور عورتوں میں امہات المومنین کے۔

واقعہ (۲۵) حضرت ابوبکرؓ کے پاس جب سالم بن عبید سیدہ عائشہؓ کے بھیجے ہوئے پہنچے تو شدت غم سے ان کے منھ سے بات نہیں نکلتی تھی۔ بہر حال حضرت ابوبکرؓ نے معاملہ کی تہہ کو پالیا، اور فوراً گھوڑے پر سوار دوڑے آئے۔ مسجد نبوی کے باہر اور اندر لوگوں کو بدحواس دیکھا۔ طبیعت کو سنبھالتے ہوئے۔ اَنَّــالِلّٰہِ پڑھتے ہوئے سیدھے حجرہ پر اور اجازت کے بعد حجرہ کے اندر جانے لگے۔ اندر بہت بھیڑ تھی آپ نے فرمایا لوگوں مجھے ذرا جانے کی جگہ دے دو۔ (شمائل ترمذی) لوگوں نے جگہ دی آپ آگے بڑھے اور جسد اطہر پر سے چادر ہٹائی شدت غم سے کلیجہ منھ کو آرہا تھا مگر انتہائی ضبط سے جھکے پیشانی مبارک کو بوسہ دیا اور کہا '' آپ حیات میں بھی پاکیزہ تھے اور بعد وفات بھی''۔ اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں جمع نہ کرے گا۔'' پھر حضورؐ کے رخسار مبارک پر رُخسار رکھا اور بے اختیار رو دئے۔ پھر سنبھلے اور اِنَّالِلّٰہِ، پڑھتے ہوئے حضورؐ کو چادر اڑھا کر باہر آئے۔ مسجد میں ہر شخص انتہائے غم میں ایک دوسرے سے بے خبر تھا۔ آپ نے کسی سے کچھ نہ کہا۔ مگر جب حضرت عمرؓ کو قسم کھا کر یہ کہتے سنا کہ '' جو شخص یہ کہے گا کہ حضورؐ کا وصال ہو گیا میں اسے قتل کر دوں گا۔'' تو ان سے خطاب کر کے کہا۔ '' اے خدا کی قسم کھانے والے! بس اپنی جگہ خاموش رہ۔'' پھر سیدھے منبر

رسول ؐ پر چڑھے۔ حضرت عمرؓ کو ڈانٹنے کی آواز سن کر لوگوں کے ہوش ٹھکانے آئے اور سب کے سب منبر کے آس پاس جمع ہونے لگے۔ آپ نے یہ توحید بھری الہامی تقریر فرمائی۔

"لوگو! تم میں سے جو شخص ذات محمد ؐ کی پرستش کرتا رہا ہو اسے تو یہ معلوم (کر کے مایوس) ہو جانا چاہئے کہ محمد ؐ تو وفات پا گئے۔ ہاں جو شخص خدائے واحد کی پرستش کرتا رہا ہے تو وہ یہ سن (کر یقین کر) لے کہ اللہ تعالیٰ اب بھی زندہ ہیں۔ ان کو موت نہیں آسکتی، خدا فرماتا ہے محمد ؐ ایک پیغمبر اور قاصد حق ہی تو تھے (خدا تو نہیں تھے) ان سے قبل بہت سے پیغمبر پیدا ہو کر گزر چکے (اور وفات پا چکے) اگر یہ محمد ؐ بھی وفات پا جائیں یا شہید ہو جائیں تو کیا تم لوگ (جاہلیت پر) الٹے پاؤں لوٹ جاؤ گے؟ اچھا تو پھر جو الٹے پاؤں پھرے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کا تو کچھ بھی نہ بگاڑ سکے گا (ہاں کچھ اپنا ہی نقصان کر لے گا) اور (جو نہ پھرے گا تو) ہم اسلام کے ایسے قدر دانوں کو عمدہ بدلہ دیں گے۔" (بخاری)

تقریر ختم ہوئی تو صحابہؓ کی آنکھیں کھل گئیں اور زبانیں بند ہو گئیں اور سب نے اعتراف کیا کہ ہمیں ایسا معلوم ہوا کہ گویا یہ آیت آج اتری ہے۔

تشریح:۔ (۱) یہ ابوبکرؓ کا پہلا پیغمبرانہ کارنامہ تھا کہ جب شدت غم سے صحابہؓ کے حواس اور اعضاء بیکار ہو گئے تھے جب وہ حضور ؐ کی بشریت کو بھول گئے تھے۔ جب قرآن کی آیت اور توحید کی تعلیم ان کے ذہنوں میں مضمحل ہو گئی تھی۔ اس وقت ابوبکرؓ نے ان کے باطن میں تصرف کیا اور ان کی روحانی تربیت فرمائی۔ توحید خالص کا چراغ ان کے دلوں میں پھر سے روشن کیا یہی وجہ ہے کہ سب صحابہؓ نے بالاتفاق اس کا اعتراف کیا کہ واقعی ابوبکرؓ ہم سب سے زیادہ عالم او سب سے زیادہ جانشینیٔ رسول کے مستحق ہیں کیونکہ آیت وما محمدٌ الّا رسول ایسا معلوم ہوا کہ آج (گویا ان پر) نازل ہوئی۔ اس کے بعد قرینہ یہ ہے کہ لوگ متفرق ہو گئے ہوں گے کوئی حضور ؐ کی تجہیز و تکفین کی فکر میں لگا ہو گا اور کوئی یہ سوچ کر کہ جب تک حضور ؐ کے کفن دفن کا انتظام ہو میں اتنے میں اپنا فلاں کام کر لوں۔ اپنے کام میں لگا ہو گا۔

واقعہ (۲۶) سیدنا علیؓ، زبیرؓ، عباسؓ، طلحہؓ، مقدادؓ اور بنو ہاشم کی ایک جماعت نیز ابوسفیانؓ اموی بیت فاطمہ میں جمع ہونے لگے۔ (۱) سیرت حلبیہ۔ ج ۳ ص ۳۹۴ (۲) بخاری کتاب الحدود باب رجم الحبلیٰ (۳) فتح باری ج ۷، ص ۱۸۲) تا کہ حضور ؐ کا خلیفہ کسی کو تجویز کریں کچھ لوگوں نے وہاں حضرت علیؓ کو

تجویز کیا اسپر بعضوں کو انکار یا تردد تھا تو حضرت زبیرؓ نے تلوار نکال کر کہا کہ "بیعت علیؓ سے جو شخص انکار کرے گا میں اس تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا۔" (الفاروق ج ا ص ۶۹) پر سفیانؓ اموی گو بنو ہاشم سے نہ تھے مگر چونکہ بنو ہاشم (بنو امیہ کے مشترک جد امجد عبد مناف کی اولاد میں وہ بھی تھے اس لئے انھوں نے حضرت علیؓ ہی کو خلیفہ تجویز کیا دو وجہ سے ایک تو اس وجہ سے کہ ابو سفیانؓ اور عباسؓ میں باہم بڑی دوستی تھی اور حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ ہی کو ووٹ دیا تھا تو ان کی موافقت میں حضرت ابو سفیانؓ نے بھی انھیں کو ووٹ دیا دوسرے حضرت ابو سفیانؓ عبد منافی تھے اور قریش کے سپہ سالار رہ چکے تھے اس لئے وہ اپنے خاندان بنو عبد مناف ہی میں امارت وحکومت دیکھنا بھی چاہتے تھے تو انھوں نے حضرت علیؓ سے کہا:

"اے علیؓ! تمھارے ہوتے ہوئے بنو تیم کے ابو بکرؓ کیسے رسولؐ ہاشمی کے خلیفہ بن جائیں گے۔ اگر تم اشارہ کرو تو واللہ میں ابو بکرؓ کے خلاف سوار اور پیادوں سے مدینہ کی گلیاں بھر دوں۔"

(یعقوبی ج ۲، ص ۱۴۰ با تغیر یسر) مگر بات پوری طور پر طے نہیں ہونے پائی جس وقت بیت فاطمہؓ میں خلیفہ کے انتخاب کی یہ گفتگو ہو رہی تھی اس وقت جسد نبوی کے پاس نہ انصار تھے اور نہ حضرات علیؓ وعباسؓ و مذکورہ افراد بنو ہاشمؓ تھے۔ اس وقت تو حضورؐ کے جسد مبارک کے پاس ابو بکرؓ اور عمرؓ اور چند مہاجرین تھے حدیث میں ہے کہ لوگ ابو بکرؓ سے پوچھنے لگے اے صاحبؓ رسولؐ! کیا حضورؐ وفات پا گئے؟ انھوں نے کہا ہاں وفات پا گئے۔ پھر پوچھنے لگے، اے صاحبؓ رسولؐ! کیا ہم حضور پر بھی نماز جنازہ پڑھیں گے۔ انھوں نے کہا ہاں۔ پھر پوچھا کیسے؟ انھوں نے کہا کچھ لوگ حجرہ ہی میں جائیں چار تکبیرات کہیں دعا کریں درود بھیجیں پھر باہر نکل آئیں پھر کچھ لوگ اندر جائیں اور اسی طرح نماز پڑھ کر نکل آئیں تو اسی طرح سب نماز پڑھیں پھر پوچھنے لگے، اے صاحبؓ رسولؐ! کیا حضور کو بھی دفن کیا جائے گا؟ انھوں نے کہا ہاں پوچھا کہاں؟ کہا جس جگہ آپ کی روح قبض ہوئی تب صحابہؓ کو یقین آیا کہ حضور کی وفات سچ مچ ہو گئی۔ پھر ابو بکرؓ نے انھیں حکم دیا کہ حضور آپ کے چچیرے بھائی اور بھتیجے غسل دیں۔ اس وقت جب بعض مہاجرین (علی زبیر، عباس رضی اللہ عنہم) بیت فاطمہؓ میں جمع ہوئے کہ مشورہ کریں ابو بکرؓ نے بھی بقیہ مہاجرین میں کہا کہ دین کی حفاظت کیلئے ایک نگراں کی ضرورت ہے تم لوگ اس کے بارہ میں رائیں دو۔ پھر یہ تجویز ہوئی کہ

انصار کی شرکت بھی مشورہ میں ضروری ہے اس لئے ان کے محلّہ میں چلنا چاہئے، ادھر کسی نے عمرؓ کو پکار کر کہہ بھی دیا کہ جلدی خبر لو انصار باہم خلیفہ کا انتخاب کر رہے ہیں۔اس لئے ابو بکرؓ و عمرؓ وہاں گئے۔(خصائل نبوی ص ۳۵۰ بہ تفسیر) یعنی لوگوں کو حضورؐ کی تجہیز و تکفین کی فکر تھی مگر جب اس میں قدم قدم پر لوگوں میں رائے کا اختلاف ہونے لگا اور کچھ لوگ ابو بکرؓ سے پوچھنے گلے۔اے صاحب رسولؐ! یہ کام کیسے ہو؟ تو ابو بکرؓ نے بھی ضرورت دیکھ کر صحابہؓ کے سامنے یہ خیال ظاہر کیا کہ دین کے عام امور کیلئے ابھی اور تجہیز رسولؐ کے خاص کام کیلئے بھی ایک نگراں سردار کی ضرورت ہے تم لوگ اس کے بارے میں اپنی اپنی رائیں دو۔''

یہ لوگ ابھی کچھ کہنے بھی نہ پائے تھے کہ دیوار کے پیچھے سے کسی نے حضرت عمرؓ کو آواز دی۔''اے عمرؓ جلد آؤ۔'' انھوں نے کہا ہٹو، ہم یہاں حضورؐ کے انتظامات میں مشغول ہیں ہمیں آنے کی فرصت نہیں۔'' الفاروق ج ا ص ٦٦) بحوالہ فتح الباری ج ١٢، ص ١٢٦) وغیرہ۔ پکارنے والے نے پھر کہا، کچھ خبر بھی ہے محلّہ بنو ساعد میں انصار اپنی مسقّف چوپال میں جمع ہو کر خلیفہ منتخب کر رہے ہیں۔جلد جا کر خبر لو ورنہ معاملہ قابو سے باہر ہو جائے گا۔'' یہ سن کر حضرت عمرؓ نے موقع کی نزاکت سمجھ کر ابو بکرؓ کا ہاتھ پکڑا اور بیت عائشہؓ سے نکل گئے۔راستہ میں انھوں نے بیت فاطمہؓ میں حضرات علیؓ و عباسؓ وغیرہم کو انتخاب خلیفہ کے لئے مجمع کرتے دیکھا چونکہ حضرات علیؓ و عباسؓ بھی قریشی تھے اس لئے خلافت کا استحقاق ان کو بھی تھا اس لئے ان کو منع تو نہیں کیا مگر حضرت ابو بکرؓ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ جب تک ہم واپس نہ آجائیں اس وقت تک آپ جسد اطہر کے پاس جا کر ٹھہرے رہئے۔یہ کہہ کر دونوں آگے بڑھ گئے راستہ میں دو آدمی ملے انھوں ل ے ابو بکرؓ و عمرؓ سے پوچھا کہاں جا رہے ہو، انھوں نے کہا سقیفۂ بنو ساعدہ میں انصار کے جھگڑے کا تصفیہ کرنے جا رہے ہیں۔انھوں نے کہا وہاں نہ جایئے تو بہتر ہے وہ لوگ کچھ نہ سنیں گے۔مگر یہ دونوں نہ رکے سقیفہ کی طرف چلے کیونکہ مشیت الٰہی یہی تھی کہ امام المسلمین ابو بکرؓ ہی وہاں کے فتنہ کو فرو کریں گے۔غرض یہ دونوں وہاں پہنچے تو دیکھا کہ انصار کے اکابر جمع ہیں۔ایک طرف بعض انصار مقررین یکے بعد دیگرے مناقب انصار اور ان کی شاندار خدمات پر تقریریں کر رہے ہیں اور دوسری طرف ان کے مشہور رئیس حضرت سعد بن عبادہؓ کمبل اوڑھے بخار میں کانپ رہے

ہیں۔ پہلے حضرت سعد نے منقبت انصار میں ایک مختصر تقریر میں کہا ''انصار کو فضیلت حاصل ہے۔ انھوں نے حضورؐ کی حمایت و نصرت میں دوسرے قبائل اور شہروالوں کے مقابلہ میں سبقت کی۔ اس لئے خلافت رسولؐ میں کسی کو ان سے نزاع نہ کرنا چاہئے۔ انصار نے کہا آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ غرض انصار کی رائے تھی کہ حضرت سعدؓ خلیفہ بنائے جائیں (خضری۔ ج ا ص ۱۶۸) ایک مقرر نے کھڑے ہوکر پہلے خدا کی حمد و ثنا کی پھر حضورؐ پر درود بھیجا پھر کہا:

''ہم اللہ کے مددگار و انصار ہیں۔ ہم اسلام کی فوج ہیں۔ اے مہاجرین آپ لوگ بس شہری لوگ ہیں اب آپ کی قوم چاہتی ہے کہ ہم کو سرداری سے الگ کردے۔'' (بخاری)

حضرت عمرؓ نے راستہ ہی سے دل میں ایک مضمون تقریر کرنے کیلئے سوچ لیا تھا۔ جب انصاری مقرر خاموش ہوا تو حضرت عمرؓ نے خود بولنا چاہا مگر حضرت ابوبکرؓ نے ان کو روکا اور خود کھڑے ہوکر تقریر شروع کی اور جو کچھ حضرت عمرؓ سوچ کر آئے تھے وہ سب بلکہ کچھ زیادہ ہی باتیں برجستہ کہہ دیں۔ انھوں نے کہا۔ آپ لوگوں نے انصار کے مناقب میں جو کچھ کہا وہ سب سچ ہے آپ لوگ ان فضائل کے اہل ہیں مگر تمام عرب لوگ خلافت کے معاملہ کو بجز قریش کے اور کسی قبیلہ میں دیکھنے پر راضی نہ ہوں گے کیونکہ ان کا نسب سب سے اعلیٰ اور سب سے ملا ہے۔''

یہ سن کر ایک انصاری مقرر نے کہا: ''ہم مدینہ کے قدیم باشندے اور یہاں کے رئیس ہیں۔ ہم نے حضورؐ کی مدد کی اور حضور کے لئے سرداری سے دست بردار ہوئے تھے اب حضورؐ کے بعد سرداری ہمارے ہی اندر واپس آنی چاہئے۔ پس اے انصار اگر مہاجرین مین سے کوئی شخص خلیفہ بنے تو ہرگز نہ تسلیم کرنا۔''

ابوبکرؓ نے پھر کھڑے ہوکر خدا کی حمد و ثنا اور حضورؐ پر درود کے بعد کہا:

''اے گروہ انصار! اسلام میں آپ کی خدمات یقیناً بہت ہیں۔ حضورؐ نے بھی ان کا اعتراف اور ذکر فرمایا اور آخر وقت تک ہمیں آپ لوگوں کے ساتھ نیک سلوک کا حکم دیتے رہے۔ مگر جانشینی کا معاملہ دوسرا ہے اس کے متعلق حضورؐ کا یہ ارشاد آپ لوگوں نے سنا ہوگا کہ امام قریش میں سے ہونا چاہئے۔ کیونکہ سارا عرب اگر کسی کے سامنے جھک سکتا ہے تو وہ صرف قبیلۂ قریش ہی ہے اس لئے کہ وہ کعبۃ اللہ کے پاسبان ہیں اور دینی برتری

انھیں کو حاصل ہے۔‘‘

یہ سن کر انصار کچھ تردّد میں پڑ گئے، کچھ سوچنے لگے کہ خباب بن منذر انصاری بولے:

حضورؐ کا معمول تھا کہ جب کسی مہاجر کو کسی کام پر مقرر فرماتے تو ان کے ساتھ ہم انصار میں سے بھی ایک آدمی کو لگا دیتے اس سے حضورؐ کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ مہاجر و انصار دونوں مل کر دین کا کام انجام دیا کریں اس لئے میری رائے یہ ہے کہ اس امرِ خلافت میں بھی اسی نبوی اصول کو پیش نظر رکھئے اور ایسا کیجئے کہ ایک امیر مہاجرین میں سے ہو اور ایک امیر ہم انصار میں سے ہو۔ دونوں مل کر برابر کام کریں۔‘‘

اس پر حضرت ابوبکرؓ نے حضرت سعدؓ کو جو بخار میں مبتلا تھے مخاطب کر کے فرمایا:

’’اے سعدؓ! مجھے خوب یاد ہے جب حضورؐ نے ہم کو یہ ہدایت فرمائی تھی کہ قُرَیْشٌ وُلاۃُ هَـذَا الْاَمْـرِ‘‘ (اس کارِ خلافت کے والی اور حاکم قریش ہی ہیں) اس وقت تم بھی وہاں موجود تھے تم کو بھی حضورؐ کا یہ ارشاد یاد ہوگا اس لئے سوچو کہ تم لوگوں کا یہ اصرار اس کے کتنا خلاف ہے اس کے علاوہ بیک وقت دو خلیفہ کا ہونا بھی غلط اور مضر ہے۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ امیر اور خلیفہ تو ہم مہاجرین میں سے ہو اور وزیر تم انصار میں سے۔‘‘

ابنؓ مُنذر نے ابوبکرؓ کی تجویز سن کر کہا۔ ’’میں یہ تجویز نہیں مانتا۔‘‘ حضرت عمرؓ نے ان کو ڈانٹا۔ انھوں نے حضرت عمرؓ کو بھی سخت جواب دیا اس پر دونوں میں باہم تیز گفتگو ہونے لگی اور قریب تھا کہ آمین بالجہر کے بعد رفع یدین بھی ہونے لگے کہ کچھ صحابہؓ نے بیچ بچاؤ کروا دیا۔ ابوبکرؓ نے پھر سمجھاتے ہوئے انصار سے کہا:

’’اے گروہ انصار! آپ لوگوں نے حضورؐ کی حیات میں اسلام کی مدد کی اور آج مخالفت کر رہے ہیں۔ اس سے اسلام کو اور مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچے گا۔ حضور کی ہدایت ’’قُرَیْشٌ وُلاۃُ هَذَا الْاَمیرِ‘‘ کو تسلیم کیجئے۔ یہ عمرؓ موجود ہیں بڑے صاحب فضائل، اور یہ امین امت ابوعبیدہؓ موجود ہیں ان میں سے کسی ایک کے ہاتھ پر بیعت کر لیجئے اور افتراق واختلاف کی باتیں نہ کیجئے۔‘‘

ابوبکرؓ کی خود فراموشی کے ساتھ یہ نصیحت کارگر ہوئی سب سے پہلے انصار میں سے بشیر بن

سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اے جماعت انصار! تم نے اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی مدد اور خدمت کی اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کیلئے کی تھی۔ اس کا ثواب تمھارے لئے حق تعالیٰ کے پاس تیار ہے مگر اب اس وقت ارشاد رسول ؐسن کر تو اس سے اختلاف نہ کرو اور اپنے ثواب کو برباد نہ کرو۔ تم کو ارشاد رسول ؐ تسلیم کرنا اور امیر بننے سے باز آجانا چاہیئے۔''

حضرت بشیر کی اس حق پسندی کا سہارا پا کر حضرت عمرؓ نے چاہا کہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر جلد اس فتنہ کو فرو کر دیں تو جلدی سے بول پڑے:

'اے لوگو! جس جماعت میں ابو بکرؓ ہوں اس میں کوئی دوسرا کیونکر سردار ہو سکتا ہے؟ ہم میں کون ایسا ہے جس میں یہ تین فضائل جمع ہوں، ایک حضورؐ کے ساتھ رفاقت جسے خدا نے فرمایا۔''ثانی اثنین اذھما فی الغار'' دوسرے خدا نے ان کو حضورؐ کا صاحب کہا یہ خطاب اور کسی صحابی کو قرآن نے نہیں دیا۔ فرمایا''اذ یقول لصاحبہ'' تیسرے یہ کہ خدا نے اپنے ان دو کا ساتھی بتایا فرما''اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا'' تو آخر کون ہیں وہ دونوں؟''(خصائل نبوی ۲۵۰) پھر جب حضورؐ نے ان کو دین میں ہمارا امام مقرر فرمایا ہے تو ہمیں کیا ہو گیا ہے کہ ہم اب اپنے دنیاوی معاملہ امارت میں ان کو امام نہ تسلیم کریں؟ لائیے ابو بکرؓ اپنا ہاتھ بڑھائیے میں سب سے پہلے رسولؐ کی جگہ آپ کو امام و مقتدا ماننے کی بیعت کرتا ہوں۔''

حضرت عمرؓ کا ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنا منجانب اللہ تھا۔ حضورؐ کی حیات میں حضرت عمرؓ وہ صحابی تھے جن کی رائے کے موافق وحی قرآنی آتی تھی اس وقت بھی ان کا یہ فعل الہامی تھا کہ اس کی برکت سے انصار بھی بیعت کو بڑھے۔ سب سے پہلے حضرت بشیرؓ بن سعد اور زیدؓ بن ثابت نے بیعت کر کے بیعت ابو بکرؓ میں سابقین اولین کا درجہ حاصل کیا ان کا بیعت کرنا تھا کہ اہل سقیفہ کا پھر رنگ ہی بدل گیا۔ شیطان نے جو وسوسہ ڈال کر اختلاف پیدا کرنا چاہا تھا وہ ابو بکرؓ و عمرؓ کی خلوص بھری باتوں سے دلوں سے محو ہو گیا۔ اور سب نے ''اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطَانِ کَانَ ضَعِیْفًا'' کا منظر آنکھوں سے دیکھ لیا۔ انصار رضی اللہ عنہم کے قلوب پھر ایمان اور اطاعت امیر کے جذبات سے سرشار ہو گئے اور تمام جماعت انصار (اوس و خزرج) یکے بعد دیگرے اس ہنگامی بیعت کرنے کیلئے ٹوٹ پڑے۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ انصاری کو انصار کا بیعت ابو بکرؓ کرنا پسند نہ آیا

کیونکہ وہ خود اپنے لئے خلافت کے خواہش مند تھے۔ اسی لئے خود انھوں نے ابوبکرؓ کی بیعت نہیں کی۔ ایک آدمی نے طنز سے کہا۔ ''ارے تم لوگوں نے تو سعدؓ کو قتل ہی کر ڈالا کہ ان کو خلیفہ بنانے کی جگہ ابوبکرؓ کو بنالیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا ان کو ہم نے نہیں خدا ہی نے قتل کر دیا کہ امت کا اجماع ابوبکرؓ پر ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے پھر حضرت سعدؓ کو سمجھایا کہ اختلاف مناسب نہیں تو بات ان کی سمجھ میں آ گئی۔ اور انھوں نے بھی بیعت کر کے ان کو خلیفہ تسلیم کر لیا۔ (تواریخ حبیب الٰہ ص ۱۶۹) یہی روایت قوی معلوم ہوتی ہے ورنہ ایک روایت یہ ہے کہ انھوں نے بیعت نہیں کی تھی۔

تشریح:۔ (۱) اس کے بعد غالباً سب نے نماز عشا با جماعت پڑھی اور انتظامات کفن دفن کو دوسرے دن کے لئے ملتوی کیا گیا (۲) دشمنان دین نے وفات رسولؐ کے بعد انتخاب خلیفہ کے کام پر دو فریب کھڑے کئے ہیں ایک یہ کہ چونکہ صحابہؓ دنیا کی محبت میں مبتلا تھے (معاذ اللہ) اس لئے ابھی حضورؐ کی تجہیز و تکفین بھی نہیں ہونے پائی تھی کہ اس کو چھوڑ کر خلافت کی فکر میں پڑ گئے۔ اس کا جواب چند سطور بعد میں ہے۔ دوسرے یہ کہ تمام انصار ابوبکرؓ و عمرؓ سب کو خلیفہ بننے کی فکر تھی اور سیدنا علیؓ و عباسؓ حضورؐ کے جسد اطہر کے پاس انتظام میں مشغول تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ احادیث اور تاریخ سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ خلافت کی فکر سب سے پہلے حضرات علیؓ و عباسؓ کو ہوئی تھی بلکہ ان کو تو حضورؐ کی حیات ہی سے خلافت کی فکر اس کا انتظار اور توقع تھی جیسا واقعہ ۱۹ میں گذرا پھر حضورؐ کی وفات کے بعد انصارؓ اور ابوبکرؓ و عمرؓ کی فکر خلافت سے بھی قبل حضرات علیؓ و عباسؓ بیت فاطمہ میں جمع ہو کر خلافت ہی کی فکر کر رہے تھے حضورؐ کے جسد اطہر کو سب سے پہلے انھیں حضرات نے چھوڑا تھا اور تجویز خلیفہ کے لئے چھوڑا تھا۔ دشمنان دین کو چونکہ صحابہؓ اور خصوصاً ابوبکرؓ اور عمرؓ کے خلاف افترا کرنا تھا اس لئے انھوں نے حضرت علیؓ کے اس فعل کو تو افترا کے جوش میں چھپایا۔ رہے اہل سنت والجماعت تو انھوں نے حضرت علیؓ کے اس فعل کا ذکر اسلئے نہیں اچھالا کہ ان کے نزدیک یہ کام حُب دنیا کا تھا ہی نہیں تو آخر وہ کسی کو (اور خاص کر حضرات علیؓ و عباسؓ جیسے بزرگوں کو) اس پر الزام کیوں دیتے نتیجہ یہ ہوا کہ انصار اور ابوبکرؓ و عمرؓ کا خلافت کے معاملہ میں پڑنا اور اس کو تجہیز رسولؐ پر مقدم کرنا تو سب کو معلوم ہو گیا اور خوب مشہور ہو گیا لیکن حضرات علیؓ عباسؓ کی طلب خلافت اور جسد اطہر کو چھوڑ کر چل دینا مشہور نہیں ہو سکا۔ (۳) نصب امام دراصل ایک اہم دینی معاملہ اور ایک فوری عقلی

تقاضا تھا جس کو ایک طرف ابوبکرؓ و عمرؓ نے بھی محسوس کیا۔ (دیکھو واقعہ ۲۶)
دوسری طرف انصارؓ نے بھی اپنے سقیفہ میں اس نصب امام کا چرچا علانیہ کر دیا تیسری طرف حضرات علیؓ و عباسؓ نے بیت فاطمہؓ میں اسی کام کو خفیہ انجام دینا چاہا۔ جب ایک ہی کام کو ایک ہی وقت میں تین نیکوکار روشن ضمیر جماعتیں ضروری محسوس کر کے الگ الگ بطور خود انجام دینے لگیں تو طبع سلیم کے نزدیک تو یہ صاف منشا نبوی و مشیت ایزدی اور امر دینی نظر آتا ہے۔ پس انتظام خلافت کا کام انجام دینا تو ہرگز قابل اعتراض نہیں تھا البتہ حضرات صحابہؓ کرام جیسی منظم اور بے نفس جماعت سے اس انتظام خلافت کی یہ صورت کہ کئی ٹولیاں الگ الگ بے نظمی کے ساتھ بطور خود انجام دینے لگیں۔ البتہ قابل تعجب تھا اگر شروع ہی سے سب یکجا ہو کر ایک نظم کیساتھ "امرھم شوریٰ بینھم" پر عمل کرتے تو یقیناً وہ زیادہ بہتر اور زیادہ موزوں صورت ہوتی۔ (۴) مگر اللہ تعالیٰ کے ہر فعل میں انجانیں کیا کیا اور کتنی مصلحتیں مخفی ہوتی ہیں۔ صحابہؓ بشر تھے کوئی نبی معصوم نہ تھے ان کے ساتھ بشری نفوس بھی تھے اور نفوس کے تقاضے بھی تھے اور وہ بھی دوسرے لوگوں کی طرح ادنیٰ ادنیٰ تحریک اور اشتعال سے نفس کے تقاضوں پر بعض وقت عمل کرنے کے لئے تیار ہو جاتے تھے مگر چونکہ حضورؐ کی نظر کیمیا اثر و صحبت اکسیر مرتب کے فیض یافتہ تھے اسلئے وہ حضرات دنیا کے بڑے سے بڑے اور قطب سے بھی کہیں بڑھ کر نفس کے قہر و تسلط سے آزاد ہو چکے تھے۔ وہ حضرات تعلیم الٰہی "اِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ ۝" کے کامیاب اور مثالی متعلم تھے۔ ان پر نفس کا اثر بس آنی اور فانی ہی ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو پیش کر کے دنیا کو دکھلا دینا چاہا کہ حضرت خاتم النبیین کی تعلیم و تربیت کس درجہ مؤثر تھی کہ صحابہؓ اپنی غلطیوں پر بہت جلد متنبہ ہو کر پوری بے نفسی اور للّٰہیت سے کام کرنے لگے۔ اگر یہی صورت حال کسی دوسری قوم کو پیش آئی تو ناممکن تھا کہ وہ اس قدر جلد معاملات کو سلجھا سکتے۔ جس طرح حضورؐ کی حیات میں ازواجِ رسولؐ نے بشریت کے تقاضے سے نفقہ میں توسیع چاہی تھی اور اس سے ایک وقتی فتنہ اور ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا تھا اسی طرح بعد رسولؐ طلب خلافت کا یہ ہنگامہ اٹھا۔ اس وقت کا ہنگامہ رسولؐ کی برکت سے دور ہوا اور اس وقت کا خلیفۂ رسول وصی رسولؐ کی برکت سے دنیا نے دیکھ لیا کہ یہ امت پختہ کار ہو چکی ہے ہر طرح کے معاملات کو بے نفسی سے خود طے کر سکتی ہے

اوراب اس قابل ہوگئی ہے کہ امامت عالم کا کام انجام دے سکے۔ یہ امت اصول جمہوریت کی امام بن چکی ہے اپنے پیش آمدہ امور کو باہم شوری اوراطاعتِ امیر کی برکات سے حسن وخوبی سے طے کرسکتی ہے قرآن وسنت کے بعد کسی مزید ''قرطاس یا کسی تحریری وصیت'' کی محتاج نہیں۔ (۵) حق تعالیٰ کو یہ بھی دکھانا تھا کہ نبیؐ نے جواحتمال ظاہر کیا تھا کہ ''کہیں میرے بعد کوئی کہنے والا کہنے نہ لگے الخ وہ فی الحقیقت پیش آنے والے واقعات ہی تھے جوان پر منکشف کئے گئے تھے ع پیمبر ہرچہ گوید دیدہ گوید اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ (۶) اگر خدانخواستہ اس وقت مدینہ میں کوئی قتل ہوجاتا تو کیا صحابہؓ اس کا ضروری تصفیہ کرنے کو تکفین رسولؐ پر مقدم کرتے؟ اگر کرتے تو فتنہ کو قتل سے بھی بڑھ کر مانا گیا ہے اسے تو یقیناً تکفین نبیؐ پر مقدم کرنا چاہئے تھا، رہا اس کا اندیشہ کہ تاخیر سے جسم مبارک میں کوئی خرابی نہ پیدا ہوجائے تو اس کی طرف سے ان کو خوب اطمینان تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کے ارشاد طِبْتَ حَیًّا وَ مَیْتًا کا ایک مطلب یہ بھی تھا (۷) حضرات شیخینؓ کا سقیفہ میں جانا انصار کی غلط اندیشی کی تصحیح کرنے اور ناگہانی فتنہ کو فرو کرنے کی غرض سے تھا اس وقت انتخاب خلیفہ کا موقع ہی کہاں تھا؟ نہ اس کا کسی کو وہم تھا۔ (ابوبکرؓ نے نگراں کی ضرورت اگرچہ بیان کی تھی اوراس پر سب کو غور کرنے کی طرف توجہ دلائی تھی مگر مطلب یہ تھا کہ تدفین سے فراغت کے بعد یہ ایک کام بھی کرنا ہے) مگر سقیفہ میں جو حالات دیکھے اور جو خیالات سنے ان کا تقاضہ یہی تھا کہ مسئلہ خلافت کو ملتوی نہ کیا جائے بلکہ فوری طور پر اس کا پورا فیصلہ ہی کردیا جائے اس طرح زبانیں بند کرنے کے لئے ہنگامی طور پر منجانب اللہ حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب ہوگیا (یہی مطلب تھا حضرت عمر کے اس ارشاد کا کہ ''اِنَّمَا کَانَتْ خلافة ابی بکر فلتةً) مشیت الٰہی بھی اسی طرح تھی کہ خلیفہ مقرر ہوجائے جس سے ایک طرف تو اختلافات کا فتنہ فرو اور دیگر امیدواروں کی تمناؤں کا خاتمہ ہوجائے اور دوسری طرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز کے انتظامات اس محیر العقول نظم وضبط سے انجام پائیں کہ ہاشمی گھرانہ والے بھی تیمی خلیفہ کے حکم کے ماتحت ہر کام کریں ورنہ حضرت ابوبکرؓ کا اصل اور عام انتخاب سہ شنبہ ۱۳؍ربیع الاول کو مسجد نبوی میں عمل میں آیا جس میں سب نے پورے غور وفکر اور طوع ورغبت سے بڑے پیمانے پر پورے نظم وضبط کے ساتھ ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اوراس طرح حضورؐ کا وہ ارشاد پورا ہوا کہ ''ابوبکر کے سوا کسی

دوسرے پر نہ اللہ تعالیٰ راضی ہوں گے نہ تمام مسلمان''۔ اگر خدانخواستہ حضرات شیخینؓ بروقت سقیفہ میں نہ پہنچ جاتے تو اور تو خدا جانے کیا کیا حالات پیش آتے مگر عقلاً اتنا ضرور سمجھ میں آتا ہے کہ (ابوبکرؓ کو تو خلافت کی خواہش تھی ہی نہیں) اصل میں امیدواران خلافت دو تھے۔ سیدنا علیؓ اور سیدنا سعدؓ، بنو ہاشم و بنو امیہ تو سیدنا علیؓ کو خلیفہ بناتے اور انصارؓ حضرت سعدؓ کو خلیفہ بناتے اور بظاہر دونوں کے تیور ایسے ہی تھے کہ ان میں سے کوئی ایک بھی دوسرے کے حق میں دست بردار ہونے کے لئے آمادہ نہ ہوسکتا (یہ ابوبکرؓ ہی کی شخصیت تھی جن کے حق میں مروۃً اور عقلاً اور مجبوراً سبھی کو دست بردار ہوجانا پڑ گیا) ورنہ شاید اسی وقت دو خلیفہ بنتے اور بقیہ صحابہؓ بھی دو گروہ بن کر کسی نہ کسی کی طرف ہوجاتے اور آپس میں ایسی سخت خونریز جنگ ہوتی جیسی صفین میں ہوئی کہ نہ سیدنا معاویہؓ سیدنا علیؓ کے حق میں اپنے مطالبہ سے دست بردار ہوئے اور نہ سیدنا علی ان کے حق میں۔ مگر یہ اتنا بڑا فتنہ جو اس قدر جلد وفات رسولؐ کے موقع پر فرو ہوگیا تو اس کی دو وجہیں تھیں۔ ایک تو لوگوں کے ذہنوں پر تدفین رسولؐ کا ایک تقاضہ (عقلی، عشقی، اخلاقی تقاضا) سوار تھا اسلئے خلیفہ بننے کا خیال ہنگامی طور پر تو دلوں میں ضرور آ گیا مگر سکون و اطمینان کے ساتھ یہ خیال دلوں میں نہیں آسکا۔ دوسرے ابوبکرؓ کی بابرکت اور پرخلوص شخصیت آڑے آ گئی۔ ورنہ اگر خدانخوستہ کہیں یہی فتنہ مسلمانوں میں بعد تدفین رسولؐ پیش آتا تو فراغت و اطمینان کے باعث اسکے جلد طے ہونے کی کسی طرح امید نہیں تھی۔ (۸) اگرچہ خود حضرت ابوبکرؓ جانتے تھے کہ آنحضرتؐ مجھے امام نماز، امام زکات، امام حج بنا کر گئے ہیں اس لئے ان کو سمجھنا سہل تھا کہ امت کو میرے ہی ہاتھ پر بیعت کرنی چاہئے اور انھیں خلافت کے لئے عمر یا ابوعبیدہ کسی کا نام نہ پیش کرنا چاہئے تھا، مگر تین وجوہ سے ابوبکرؓ نے اپنا نام نہیں لیا۔ ایک تو اس لئے کہ ان کو اپنی خلافت، امارت اور امامت و حکومت کی ذرہ بھر بھی تمنا یا خواہش یا انتظار نہ تھا۔ دوسرے انھوں نے تواضعاً اور ایثاراً دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دی اور اپنے کم سے کم درجہ کے دو آدمیوں کے حق میں دست بردار ہوگئے۔ تیسری وجہ یہ تھی کہ انھوں نے جب خود حضورؐ کو دیکھا کہ نبیؐ ہوکر اپنے امتیوں کے پیچھے چار بار نمازیں پڑھیں تو اس سے ان کا ذہن دراک اس نادر اصول تک پہونچ گیا کہ ''افضل کے ہوتے مفضول بھی امام نماز اور امیر ملت بن سکتا ہے''۔ (یہی اصول تھا جسے

حضرت معاویہؓ نے بھی تعلیمات رسولؐ سے اور پھر اس سیرت صدیقؓ سے سمجھا تھا اور استخلاف یزید کے موقع پر برتا تھا) آخر حق تعالیٰ نے بھی تو "خلافت ارضی" کیلئے مفسد خاکی کو منتخب کیا۔ اور نوری معصوم کو باوجود استحقاق جتانے کے نظر انداز کر دیا۔ سیدنا حسینؓ البتہ صرف عالی نسبی اور نیک کرداری کو شرطِ خلافت سمجھتے رہے۔ (۹) اگر طبیعت میں عناد، ضد، جہالت، تقلید کورانہ وغیرہ نہ ہو تو بات صاف طور پر سمجھ میں آسکتی ہے کہ در حقیقت ابوبکرؓ دوسرے تمام صحابہؓ سے اور خاص کر حضرات علیؓ وعباس رضی اللہ عنہما سے بچند وجوہ خلافت کے زیادہ مستحق تھے۔

(الف) یہ سب سے پہلے اسلام لائے تھے یعنی بہ الفاظ دیگر آپ ہی تھے جن کو تمام صحابہؓ سے زیادہ صحبت رسولؐ اور معیت رسول کا شرف حاصل تھا۔

(ب) آپ نے تبلیغ اسلام میں سب سے زیادہ اذیت، کفار کے ہاتھوں اٹھائی، سخت مار کھائی۔

(ج) آپ نے اسلام پھیلانے کی ایسی پرخلوص کوشش کی کہ بہت سے لوگ مسلمان ہوئے جن میں چھ حضرات (عثمان طلحہ، زبیر، سعد، عبدالرحمان، ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم تو ایسے مسلمان ہوئے جو اپنے سچے اسلام کے باعث اسلام کے دس رتن یعنی عشرہ مبشرہ میں شامل کر لئے گئے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ جو حضورؐ کے بھانجے تھے اور حضرت سعد بن ابی وقاص مالک جو حضورؐ کے ماموں تھے اور حضرت زبیرؓ جو حضورؐ کے پھوپھی زاد بھائی تھے یہ سب بھی مسلمان ہوئے تو ابوبکرؓ کے اثر، ترغیب اور کوشش سے۔

(د) آپ نے ابتدائے اسلام میں اللہ کی راہ میں ۳۵۔۴۰ ہزار درہم کی خطیر رقم بے محابا بخوشی خرچ کر دی۔

(ہ) آپ نے سات لونڈی غلاموں کو جو کفار کے قبضہ میں تھے اور اسلام لانے کے جرم میں سخت ترین ہولناک جسمانی اذیتیں جھیل رہے تھے ان کو صرف اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے خرید کر آزاد کر دیا۔

(و) جب حضورؐ طائف میں تبلیغ کو تشریف لے گئے تو ابوبکرؓ ہی کو مکہ میں تبلیغ مزید کیلئے مسلمانوں کی حفاظت ونگرانی کے لئے اور امامت نماز کے لئے چھوڑ گئے تھے۔

(ز) حضورؐ نے ابوبکرؓ کو جس طرح نماز جیسی بنیادی عبادت کا امام بنا کر امت کو ان کی اقتداء کا حکم

دیا اسی طرح اسلام کی مزید دو بنیادی عبادتوں پر بھی ان کو اپنا خلیفہ اور امت کا امام بنا دیا تھا۔ ایک زکوٰۃ پر لوگوں کو حکم دیا کہ میرے بعد زکوٰۃ لا کر ابوبکرؓ کو دیں اور دوسرے حج پر کہ امت پر اپنی بجائے ابوبکرؓ ہی کو امیر الحج بنا کر بھیجا اور امت کو حکم دیا کہ ان کی امارت میں حج ادا کریں پس جب اسلام کی تین بنیادوں (نماز، زکوٰۃ، حج) پر حضورؐ نے ان کو اپنی جگہ امام امت اور اپنا خلیفہ بنا دیا تو ان کے مقابلہ میں اب کسی دوسرے کا استحقاق خلافتِ رسول کیلئے رہ ہی کہاں گیا؟

(ح) حضرت ابوبکرؓ کا قلبِ مبارک تمام صحابہؓ میں سب سے زیادہ آنحضرت کے قلبِ مبارک کے قریب تھا اور ابوبکرؓ کی پسند حضورؐ کی پسند کے قریب تھی کہ تقریباً تمام ہی صحابہؓ نے حتیٰ کہ سیدنا عمرؓ و علیؓ نے بھی حضورؐ کی رائے مبارک سے مختلف واقعات میں اختلاف کیا۔ مگر ابوبکرؓ کچھ اس طرح فنا فی الرسولؐ تھے یا بالفاظ دیگر ان کو حضورؐ سے کچھ اس طرح روحانی معیت اور مذاق کی وحدت وعینیت حاصل تھی کہ ہر معاملہ میں (مثلاً صلح حدیبیہ کی شرائط میں۔ قیدیان بدر کے معاوضے میں) ان کی بھی رائے بعینہٖ وہی ہوتی تھی جو حضورؐ کی ہوتی۔ رسول کا خلیفہ بلافصل واقعی اسی شان کا ہونا چاہئے تھا۔

(ط) ہجرت کے موقع پر ابوبکرؓ ہی نے تن من دھن اور جن (پورے خاندان اور غلام) سے حضورؐ کی جان نثارانہ خدمات انجام دی ہیں (کہ خود غار میں رفیق سفر تھے، بیٹی اسماء کھانا لاتی تھیں۔ بیٹے عبداللہ خبریں لاتے تھے۔ عامر غلام بکریاں لاکر دودھ پلاتا تھا۔ سفر کے لئے اونٹنیاں ابوبکرؓ ہی نے خرید کر کھلا پلا کر تیار رکھیں بیوی کھانا پکا کر بھیجتیں) اور صاحب رسولؐ کا خطاب پایا۔ ایسی نمایاں اور ممتاز خدمات کے بعد بھی اگر ابوبکرؓ خلیفہ بلافصل نہ ہوتے تو ظلم ہی تھا اور ظلم سے اللہ اور اس کے رسول پاک ہیں۔ ابوبکرؓ کی ان خدمات کے بعد بھی سیدنا عباس یا علی (رضی اللہ عنہم) کا اپنے الگ خلافت کی تمنا کرنا اور اپنے اپنے کو ابوبکرؓ سے زیادہ مستحق سمجھتے رہنا صاف یہ بتاتا ہے کہ وراثت کا رواج عام اور عالمی تصور کس طرح ان بزرگوں کے ذہنوں پر بھی مسلط تھا جس کی اصلاح اسلام جیسے ترقی پسند مذہب کیلئے ضروری تھی۔

حضورؐ کی وفات: سے دفن تک ۳۳ یا ۳۴ گھنٹوں کا وقفہ ہوا تھا کیونکہ دوشنبہ کو دن ڈھلے (سہ پہر) کو آپ کی وفات ہوئی اور سہ شنبہ کا دن گذار کر سہ شنبہ اور چہار شنبہ کی درمیانی شب کے نصف میں آپ دفن ہوئے اس وقفہ پر دشمنان صحابہؓ چاہے جتنے وسوسے لوگوں کے دلوں میں ڈالیں مگر انصاف یہ ہے کہ اتنا اتنا وقفہ تو ہمارے بعض عام گھرانوں

میں بھی کفن دفن کے انتظامات کرنے میں ہو جاتا ہے۔ میں ذیل میں (محض قیاس سے) حضورؐ کے ضروری انتظامات کفن دفن کا اور اس میں صرف ہونے والے وقت اور گھنٹوں کا ایک نقشہ پیش کرتا ہوں اسے غور اور انصاف سے دیکھئے گا تو معلوم ہوگا کہ یہ تو واقعی حضرات صحابہؓ کرام کی ایک کرامت ہی تھی کہ انھوں نے اتنے متعدد انتظامات کو کس حسن وخوبی سے صرف ۳۴ گھنٹوں کے اندر انجام دے لیا (وقت کا اندازہ ہندوستان میں ماہ جون کے وقت کے لحاظ سے رکھا گیا ہے:-

نقشہ صرف اوقات از وفات نبوی تا تدفین نبویؐ

۱	وفات نبوی	دوشنبہ ۴ بجے سہ پہر	۱۱	مسجد نبوی میں بیعت عامہ شیخین کا خطبہ	سہ شنبہ بعد فجر سے ۱:۳۰ بجے دن تک
۲	صحابہ کا اجتماع و اضطراب	" ۵ بجے تک	۱۲	نماز ظہر با جماعت	سہ شنبہ ۲ بجے
۳	نماز عصر با جماعت	۵:۳۰ بجے	۱۳	واقعہ ۲۷ والے امور پر بحث اور تصفیہ	سہ شنبہ ۳ بجے تک
۴	ابوبکرؓ کی آمد اور خطبہ	۵:۴۵ بجے	۱۴	قبر کی تیاری اور غسل	سہ شنبہ ۵ بجے
۵	شیخین مہاجرین کو فکر تجہیز مسجد نبوی میں	دوشنبہ ۵:۴۵ بجے	۱۵	نماز عصر	سہ شنبہ ۵:۳۰ بجے
۶	مشورہ خلافت انصار بنو ہاشم	دوشنبہ ۶ بجے	۱۶	تکفین	سہ شنبہ ۵:۳۵ بجے تک
۷	شیخین کا سقیفہ جانا	دوشنبہ ۶:۱۵ بجے	۱۷	نماز جنازہ ملائکہ	سہ شنبہ ۶:۱۲ بجے تک
۸	قسط اول سقیفہ کی مناظرانہ بحثیں اور نماز مغرب	دوشنبہ ۷:۱۵ بجے	۱۸	نماز مغرب	سہ شنبہ ۷:۱۵ بجے تک
۹	قسط دوم سقیفہ کی بحثیں و ہنگامی بیعت ابوبکرؓ	دوشنبہ ۹ بجے تک	۱۹	نماز جنازہ صحابہؓ کبار و صحابیات اصغار صحابہؓ	سہ شنبہ ۱۲ بجے رات تک
۱۰	نماز عشاء با جماعت	دوشنبہ ۹:۱۵ بجے تک	۲۰	تدفین	سہ شنبہ ۱ بجے رات

☆☆☆

سہ شنبہ۔ ۱۳ ربیع الاول

واقعہ (۲۷): بعد نماز فجر مسجد نبوی میں حضرت ابوبکرؓ کی بیعت عامہ ہونے کی تجویز ہوئی حضرت ابوبکرؓ نے چاہا کہ منبر پر چڑھ کر ضروری باتوں کا اعلان اور ان کی اطلاع لوگوں کو دیں مگر حضرت ابوبکرؓ کے کھڑے ہونے سے پہلے حضرت عمرؓ کھڑے ہو گئے اور انھوں نے کہا:

"مسلمانو! کل میں نے کچھ باتیں کہی تھیں تو وہ غم کے غلبہ میں اپنی طرف سے کی اور کہی تھیں۔ نہ تو اسکا ذکر کہیں قرآن مجید میں ملا اور نہ ان باتوں کی کوئی وصیت مجھے رسول اللہؐ نے فرمائی تھی۔ میں نے جو کہا تھا کہ حضورؐ کی وفات نہیں ہوئی تو مجھے امید دراصل یہی تھی کہ ابھی حضورؐ اتنے زمانہ تک اور زندہ رہیں گے کہ ہمارے تمام ضروری مسائل کا انتظام وتدبیر فرمادیں۔ اچھا اگر حضورؐ کی وفات ہوگئی ہے تو قدر کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے اندر ایک روشنی (قرآن) باقی رکھی ہے جس کو تم اگر مضبوطی سے تھامے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے اور الحمدللہ کہ حق تعالیٰ نے تم کو (سقیفہ کے فتنۂ انتخاب میں) مجتمع رکھا اور تمھارے دین و دنیا کے تمام معاملات کا انتظام ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں دے دیا جو تم میں سب سے بہتر اور برتر ہے یعنی صاحبِ رسول اللہ ثانی اثنین اذ ھما فی الغار۔ چنانچہ کل سقیفہ میں جو کچھ ہوا (کہ ہنگامی طور پر انصار کی ایک بڑی جماعت نے سقیفہ میں ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت خاص کرلی) وہ تم کو معلوم ہی ہے اب اٹھو کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت عام کرو۔"

حضرت عمرؓ کی یہ تقریر سن کر لوگ کھڑے ہوئے وہ بھی جنھوں نے کل سقیفہ میں ہنگامی بیعت کی تھی اور وہ بھی جو اس وقت موجود نہیں تھے سب یکے بعد دیگر ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے۔ اس میں کافی وقت لگا اور نہایت نظم وضبط سے مسجد نبوی میں علی الاعلان حضرت ابوبکرؓ کی بیعت عامہ ہوئی جس سے نہ کسی نے انکار وتردد کیا اور نہ تخلف کیا۔ حضرت علیؓ کے بارہ میں اگر چہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ انھوں نے چھ ماہ تک حضرت ابوبکرؓ کی بیعت نہیں کی مگر ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب ان کو اس بیعت عامہ کی اطلاع ہوئی تو چادر کندھے پر ڈالتے ہوئے

تیزی سے دوڑے ہوئے آئے اور انھوں نے بھی بیعت کی۔ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ کھڑے ہوئے اور پہلا خطبہ دیا:

"اے لوگو! میں تمھارا نگراں اور والی چنا گیا ہوں حالانکہ میں تم میں بہتر نہیں ہوں اگر میں راہ راست پر چلتا رہوں تو تم سب میرے ساتھ تعاون کرنا اور اگر میں (خدا نخواستہ راہ راست سے) انحراف کروں تو تم سب مجھے سیدھا کر دینا۔ سچائی کو میں امانت جانتا ہوں (لہٰذا میں بھی اس کا حق ادا کروں گا اور تم سے بھی اس کا مطالبہ کروں گا) تم میں جو کمزور ہوگا تو میرے نزدیک قوی ہوگا۔ خدا نے چاہا تو میں اس پر ظلم کرنے والے سے اس کا حق دلا کر رہوں گا اور جو تم میں زبردست بنا ہوگا میں اسے کمزور سمجھوں گا کہ اس سے مظلوم کا حق لے کر چھوڑوں گا۔ دیکھو یاد رکھو جو قوم جہاد کو ترک کر دیگی (اور حق پھیلانے اور حقدار کو جائز حق دلوانے کیلئے اپنی جیسی جدوجہد اور کوشش کرنا بھی چھوڑ بیٹھے گی) تو خدا اس کو ذلیل ورسوا کر دے گا اور جس گروہ میں بدکاری پھیلے گی اس پر آسمان سے بلائے عام نازل ہوگی۔ جب تک میں خود اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتا رہوں اس وقت تم پر بھی میری اطاعت لازم ہے ہاں جب میں خود ہی خدا اور رسولؐ کی نافرمانی کرنے لگوں تو پھر تم پر میری اطاعت لازم نہیں۔ اچھا اب اٹھو اور نماز پڑھو خدا تم پر رحم فرمائے۔"

تشریح:۔ (۱) حضرت عمرؓ نے اپنی شہادت سے کچھ ہی قبل ۲۳ھ میں حج سے واپس آکر مدینہ میں ایک مجمع میں تقریر کیا تھا۔ "شاید میری موت قریب آ گئی ہے۔ میں نے سنا ہے کچھ لوگ یہ کہنے لگے ہیں کہ عمرؓ کے انتقال پر ہم تو فلاں کے ہاتھ پر بیعت کریں گے (تو سن رکھو اب بیعت خلافت بے مشورہ ہو نہیں سکتی۔ ابوبکرؓ کی ہنگامی خلافت کو کوئی بہانہ بنانے نہ لگ جائے ہاں وہ بیعت (سقیفہ میں) ہنگامی اور بغیر عام مشورہ کے ضرور ہوئی مگر اللہ تعالیٰ نے اس بے مشورہ بیعت وانتخاب کی ہولناکیوں سے امت کو محفوظ بھی رکھ لیا، اس میں ابوبکرؓ کی فضیلتوں کو بھی دخل تھا اب تم میں اس درجہ کا کوئی فرد ہے نہیں اس لئے ایسی بیعت اور ایسے انتخاب کا تو خیال بھی کوئی نہ کرلے۔ اب اگر کوئی شخص کسی کے ہاتھ پر خفیہ بیعت کرے گا کہ مسلمانوں کے عام مشورہ سے اس کا انتخاب نہ ہوا ہو تو نہ اس کی

تقلید درست ہوگی جس نے وہ بیعت کی ہوگی اور نہ اس کی تقلید درست ہوگی جس کی بیعت کی گئی ہوگی کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ دونوں ہی قتل کر دیئے جائیں۔ الخ (بخاری باب رجم الحبلی ص ۱۰۰۹)

حضرت عمرؓ کی یہ تقریر ایک تاریخی دستاویز ہے اس کی بھی کہ ابوبکرؓ پر (جیسا حضور فرما گئے تھے) خدا بھی راضی ہوا اور مسلمان بھی راضی ہوئے یعنی کوئی اختلاف نہیں ہونے پایا اور اس کی بھی کہ حضرت عمرؓ کے بعد کوئی خلافت (اور آگے چل کر بادشاہت بھی) ایسی عقلاً ناممکن تھی اور واقعتہً بھی ناممکن تھی کہ اس میں اختلاف نہ ہو حضرت عثمانؓ کی خلافت میں چھ آدمیوں کی کیبنٹ بیٹھی امیدوار خلافت دو یا تین تھے تین دن کے بعد بمشکل سب کے مشورہ سے حضرت عثمانؓ منتخب ہوئے حضرت علی کی خلافت میں بہتوں نے اختلاف کیا۔

واقعہ (۲۸) حضرت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت عام ہو چکی تو آپ نے حضورؐ کے جسم مبارک کی تجہیز کے انتظامات کی طرف توجہ فرمائی اس سلسلہ میں جیسا ص ۳۲ پر گزر اذیل کے سات امور میں بعض صحابہؓ نے پہلے دریافت کیا کہ کیسے ہو کیونکر ہو پھر بعض اپنی اپنی رائے پیش بھی کر دی۔ مگر چونکہ حسن اتفاق سے بلکہ مشیت حق سے ملت کا ایک سربراہ اور امیر چنا جا چکا تھا اسلیئے ہر بحث نہایت سنجیدگی سے پیش کی گئی اور اس پر سنجیدگی ہی سے غور اور فیصلہ کیا گیا اسلیئے جلد طے ہوگئی۔

پہلی بحث:۔ یہ تھی کہ حضورؐ کو غسل دیا جائے یا نہیں۔ لوگ اپنی اپنی رائیں دے رہے تھے کہ ایک طرف سے آواز آئی "ان کو غسل مت دو وہ تو خود ہی پاک صاف ہیں"۔ لوگ اس کے کہنے والوں کو تلاش کرنے لگے مگر کوئی معلوم نہ ہو سکا کہ اتنے میں دوسری طرف سے ایک اور آواز آئی کہ "تم حضورؐ کو ضرور غسل دو۔ پہلا کہنے والا شیطان تھا۔ میں خضر ہوں"۔ (تواریخ حبیب الہ ص ۱۶۹) اس خاص روایت میں ممکن ہے شرائط محدثین کے نقطۂ نظر سے کچھ ضعف ہو مگر اتنا ضرور ہے کہ یہ بحث اٹھی تھی اور ابوبکرؓ نے غسل دینے کا حکم دیا تو حضورؐ کو غسل دیا گیا۔

دوسری بحث:۔ یہ اٹھی کہ غسل دینے کے لئے جسم مبارک سے حضورؐ کا ملبوس مبارک اتارا جائے یا نہیں ابھی لوگ رائیں دے رہے تھے کہ یکایک سب حاضرین پر ایک اونگھ مسلط

ہوئی۔ سب کی آنکھیں بند ہوگئیں اور سب کی ٹھڈیاں سینہ سے آلگیں اور ایک آواز آئی جسے سب نے سنا کہ "غسل کے لئے ملبوس مبارک اتارا نہ جائے بلکہ اسی کے اوپر غسل دیا جائے۔

(مشکواۃ باب الکرامات)

تیسری بحث:۔ یہ شروع ہوئی کہ اکثر مخلص انصار و مہاجرین کی خواہش تھی کہ "حضورؐ کی اس آخری خدمت یعنی غسل میں ہم بھی حصہ لے سکیں" اس پر وصی رسولؐ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا "حضورؐ کا ارشاد ہے کہ مجھے میرے گھرانہ کے قریب تر رشتے دار غسل دیں (ہر قوم اور ہر ملک میں ہوتا بھی یہی ہے کہ قریبی رشتہ دار ہی غسل دیتے ہیں بجز وہمی اور بدعمل لوگوں کے) اسلئے اے علیؓ، عباسؓ، فضلؓ، قثمؓ بس تم لوگ حضورؐ کو غسل دو اور اے اسامہ اور شقران تم لوگ ان کی مدد کرو چنانچہ انھیں چھ حضرات نے حضورؐ کے جسد اطہر کو اس طرح غسل دیا کہ سب نے آنکھوں پر پٹیاں باندھ رکھی تھیں حضرت علیؓ نے جسم مبارک کو اپنے سینہ کے سہارے اٹھائے رکھا حضرات عباسؓ اور فضلؓ و قثمؓ نے دائیں بائیں کروٹ بدلوانے میں مدد دی اور اسامہؓ و شقرانؓ نے پانی ڈالا۔ آپ چونکہ حیات میں غرس نامی کنویں کا پانی بہت پسند فرماتے تھے اس لئے اسی کنویں کے پانی سے آپ کو غسل دیا گیا۔ حضرت جعفر صادقؒ فرماتے ہیں "حضورؐ کا غسل منگل کے آخری پہر سے پہلے شروع نہیں ہوسکا۔ (جمع الفوائد ج اص ۱۲۷ عن ابی داؤد) غسل کے بعد ایک تیز خوشبو محسوس ہونے لگی کہ ویسی ہی خوشبو کسی نے نہ اس سے پہلے کبھی سونگھی تھی اور نہ بعد میں کبھی سونگھی۔

چوتھی بحث:۔ یہ اٹھی کہ حضورؐ کو کفن کس کپڑے کا دیا جائے اور کتنے کپڑوں کا دیا جائے؟ کچھ گفتگو کے بعد آخر بہ اتفاق رائے آپ کو یمن کے تین سفید کپڑوں کا کفن دیا گیا۔ قمیص، تہبند اور چادر، کفن پہنانے کے بعد جسمِ مبارک سے بھیگا ہوا ملبوس مبارک نیچے سے نکال لیا گیا تا کہ کفن نہ بھیگے۔

پانچویں بحث:۔ یہ کی گئی کہ حضورؐ کی قبر کس شہر اور کس مقام پر ہو۔ بعض نے رائے دی کہ مدینہ ہی میں ہو مگر منبر شریف کے پاس ہو۔ ایک نے کہا کہ مدینہ کے قبرستان بقیع غرقد میں آپ دفن کئے جائیں بعض نے رائے دی کہ حضورؐ کو آپ کے وطن مکہ شریف میں دفن کرنا چاہئے کسی نے بیت المقدس کی رائے دی۔ اخضائل نبوی ص ۲۴۲) حضرت ابوبکرؓ نے بحیثیت امام المومنین

فرمایا، میں نے سنا ہے کہ نبی کا جہاں انتقال ہوتا ہے اسی جگہ وہ دفن ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ کے حکم پر سب مطمئن اور ساکن ہو گئے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ ہی میں آپ کی قبر شریف کا کھودا جانا طے پایا۔

چھٹی بحث:۔ یہ پیدا ہوئی کہ حضورؐ کی نماز جنازہ کس جگہ اور کس طرح پڑھی جائے؟ بعض کا خیال ہوا کہ آپ کا جنازہ میدان میں لایا جائے مگر خلیفۃ الرسول امیر المومنین نے فرمایا "میں نے حضورؐ کو فرماتے سنا ہے کہ کفنانے کے بعد میرا جنازہ قبر کے پاس رکھ کر کچھ دیر کے لئے سب اس کے پاس سے ہٹ جانا تاکہ پہلے فرشتے مجھ پر نماز پڑھ لیں ان کے بعد پھر دو دو چار چار کر کے مرد حجرہ میں آکر بلا جماعت مجھ پر نماز پڑھیں پھر عورتیں دو دو چار چار کر کے حجرہ میں آکر مجھ پر نماز پڑھیں پھر بچے اسی طرح نماز پڑھیں چنانچہ اسی پر عمل ہوا اور اس میں کافی دیر لگی۔

ساتویں بحث:۔ یہ نکلی کہ قبر شریف لحد (بغلی) بنے یا شق (صندوقی) حضرت ابوبکرؓ نے اس کا بھی فیصلہ فرمایا کہ "مدینہ منورہ میں دو آدمی دو قسم کی قبریں کھودتے ہیں ہر ایک کے بلانے کو آدمی بھی بھیجا جائے جو ملجائے وہ اپنی قسم کی قبر کھودے"۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ دعا فرمانے لگے کہ اے اللہ! آپ کو اپنے حبیبؐ کیلئے جس قسم کی قبر پسند ہو اسی قسم کی قبر کھودنے والا ملے، چنانچہ حضرت ابوطلحہؓ ملے اور کچھ دیر کے بعد ملے۔ یہ اہل مدینہ کی طرح لحد (بغلی) کھودتے تھے انھوں نے سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ میں بستر کی جگہ لحد دار قبر کھودی اور نصف شب میں آپ کو قبر شریف میں اتارا گیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے حکم دیا کہ عباسؓ، علیؓ اور قثمؓ (رضی اللہ عنہم) حضورؐ کو قبر شریف میں اتاریں آپ کو دفن کر کے قبر شریف سے سب سے آخر میں قثمؓ نکلے۔ پھر آپ کو مٹی دی گئی اور قبر برابر کی گئی۔

تشریح:۔ (۱) واقعہ ۴ میں اگرچہ حضورؐ خود ہی اپنی تجہیز و تدفین سے متعلق تقریباً تمام ہی امور میں ہدایت دے چکے تھے پھر بظاہر ہر سہ شنبہ ۱۳/ ربیع الاول کو یہ امور زیر بحث آنا نہ چاہئیں تھے مگر اس کی وجہ یہ رہی ہوگی کہ واقعہ ۴ میں تمام صحابہؓ موجود نہ رہے ہوں گے پھر ممکن ہے کہ واقعہ ۴ کے صحابہؓ بھی واقعہ ۲۸ میں موجود نہ رہے ہوں۔ نیز ممکن ہے کہ واقعہ ۲۸ کے وقت واقعہ ۴ کے موجود صحابہؓ کو یہ امور یاد نہ آئے ہوں یا اگر یاد آئے بھی ہوں اس کے بعد بھی بعضوں نے یہ بحثیں نکالنا اور عام مشورہ سے طے کر لینا ہی مناسب سمجھا ہو۔

مزید دو ضروری واقعات

جو ممکن ہے چہار شنبہ ۱۴ ربیع الاول ہی کو ورنہ رحلت نبوی سے قریب ہی زمانہ میں کسی روز واقع ہوئے

واقعہ (۲۹) حضرت سیدہ فاطمہؓ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس (از خود یا حضرت علیؓ کے اشارہ سے) تشریف لائیں اور فدک وخیبر کی زمین میں سے اپنے حصۂ میراث کا مطالبہ کرنے لگیں حضرت صدیقؓ نے فرمایا کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "ہم جماعت انبیاء، دینار ودرہم کی میراث نہیں چھوڑا کرتے۔ ہم لوگ جو کچھ چھوڑ جائیں وہ سب صدقہ ہوتا ہے"۔ (مطلب یہ کہ آپ کو میراث نہیں مل سکتی) سیدنا عباسؓ بھی اپنے بھتیجے کے ورثہ میں سے اپنا حصۂ میراث لینے تشریف لائے۔ ابو بکرؓ نے ان کو بھی یہی جواب دیا۔ اسی سلسلہ میں سیدہ فاطمہؓ دوبارہ ابو بکرؓ کے پاس تشریف لے گئیں اور دریافت فرمایا "اے ابو بکرؓ! تمہارے بعد تمہارا وارث کون ہوگا؟ انھوں نے کہا کہ "میری بیویاں اور میری اولاد"۔ سیدہ فاطمہؓ نے پوچھا تو پھر میں اپنے والد کے متروکات کی وارث کیوں نہیں بنی؟ حضرت صدیقؓ نے وہی جواب پھر دیا کہ حضورؐ نے کوئی ایسا ترکہ ہی نہیں چھوڑا جس میں میراث تقسیم ہو سکے۔ اگر کچھ چھوڑا بھی ہے تو وہ صدقہ ہے اور اس کا مصرف وہ ہے جو حضورؐ اپنی حیات میں عمل میں لاتے رہے انشاء اللہ میں بھی اسی طرح عمل میں لاؤں گا۔ سرِ مو فرق نہ کروں گا (شمائل ترمذی ص ۲۹) یہ سن کر وہ واپس تشریف لائیں اور ابو بکرؓ کی طرف سے کچھ اثر سیدہ فاطمہؓ کے دل میں رہا وہ مرتے دم تک پھر ابو بکرؓ سے نہیں بولیں۔ (بخاری میں ہے "فهجرته فاطمة فلم تکلمه ص ۹۹۶)

تشریح:۔ (۱) میراث نبوی کے بارہ میں دو ارشادات یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

(الف) ام المومنین سیدہ جویریہؓ کے بھائی عمروؓ کہتے ہیں کہ "حضورؐ نے رحلت کے وقت نہ دنیا چھوڑے۔ نہ لونڈی غلام چھوڑے نہ اور کوئی چیز چھوڑی ہاں سفید مادہ خچر، ہتھیار اور بعض زمینیں چھوڑیں جسے صدقہ (وقف) کر دیا تھا"۔ (مشکوٰۃ ص ۵۵۰ عن البخاری)

(ب) سیدنا ابو ہریرہؓ نے یہ ارشاد نبوی نقل کیا ہے کہ "میرے وارثین دینار (و درہم وغیرہ)

نہ بانٹ سکیں گے میں جو کچھ چھوڑ جاؤں اس میں سے میری بیویوں کے نفقہ اور تحصیلدار کی تنخواہ کے بعد جو بچے وہ سب صدقہ (وقف) ہے"۔ (مشکواۃ ص ۵۵۰ عن الشیخین) (۲) حضورؐ نے دینار و درہم تو چھوڑے ہی نہیں اور واقعہ نمبر ۱۷ کو دیکھتے ہوئے چھوڑ بھی نہیں سکتے تھے، ہاں ذیل کی دس اشیاء آپ کی متروکات تھیں۔ تین زمینیں (بنونضیر کی جائداد فدک کے باغات، خیبر کی زمینیں) کچھ جانور (لحیف نام کا گھوڑا۔ عفیر نام کا گدھا، عضبا یا قصوا نام کی اونٹنی، تنیہ نام کا خچر جس کا دوسرا نام دُلدُل بھی تھا) کچھ ہتھیار (نو تلواریں سات زرہیں، چھ کمانیں، پانچ نیزے۔ تین جُبے جنگ کیلئے۔ دو خود۔ ایک ڈھال ایک علَم) کچھ ملبوس۔ انگوٹھی، عصا، نو یا دس حجرے ازواج کے لئے ایک مشربہ (بالاخانہ) بستر (چٹائی اور چمڑے کا تکیہ) چند کھالیں۔ (۳) تینوں زمینوں کی آمدنی حضورؐ اپنی حیات میں اس طرح صرف فرماتے تھے۔

(الف) بنونضیر والی جائداد کی آمدنی، اپنی ذات یا عام مسلمانوں کی "ناگہانی ضروریات کیلئے۔ (ب) فدک کی آمدنی "مسافروں کی امداد" کے لئے اور (ج) خیبر کی آمدنی ۳/۱ ازواج رسولؐ کے نفقہ اور کارندہ یا تحصیلدار کی تنخواہ کے لئے اور ۳/۲ پبلک کی ضرورتوں کیلئے (سیرۃ النبی شبلی اول ج دوم ص ۱۹۳) (۴) نو یا دس کوٹھریاں بنتے وقت تو یقیناً حضورؐ کی ملک تھیں مگر بن جانے کے بعد حضورؐ نے وہ کوٹھریاں سکنے میں اپنی ازواج کو الگ الگ ہبہ کر دیں اسی وجہ سے قرآن میں خدا نے بیوتکن فرما کر ان کی نسبت ازواج کی طرف اور بیوت النبی فرما کر ان کی نسبت حضورؐ کی طرف حدیثوں میں بھی بیت ام سلمہؓ، بیت عائشہؓ۔ بیت میمونہؓ کے الفاظ سے ان حجروں کی نسبت ازواج رسول کی طرف کی گئی ہے اور بعض جگہ خود حضورؐ نے کی ہے اس طرح ازواج رسولؐ اپنی اپنی زندگیوں میں ان کی مالک تھیں اور عمر بھر ان پر قابض رہیں اور ان کے انتقال کے بعد پھر وہ ان کے شرعی وارثوں کی ملکیت ہو جاتی تھیں چنانچہ چند حجروں کو سیدنا معاویہؓ نے خریدا تھا۔ (سیرۃ النبی حصہ اول جلد دوم ص ۱۹۳ بحوالہ صحیح مسلم) (۵) پس جب متروکات میں دینار و درہم تھے ہی نہیں اور حجرات ملکیت تھے ازواج کے اسلئے قابل تقسیم چیز صرف ان تینوں زمینوں کی آمدنیاں بچیں اگر ان کی تقسیم وارثوں میں جائز ہوتی تو تقسیم اس تناسب سے ہوتی کہ ۸/۱ تمام ازواج کیلئے اور ۸/۴ سیدہ فاطمہؓ کو اور ۸/۳ سیدنا عباسؓ کو (۶) مگر ان کی تقسیم میں

صحابہؓ میں رائے کا اختلاف تھا کیونکہ حضورؐ کے مذکورہ ارشاد کے دو مطلب بن سکتے تھے ایک یہ کہ میرے ترکہ میں درہم و دینار تقسیم نہ ہوں گے یعنی جو کچھ (درہم و دینار تقسیم ہوں گے اور جو کچھ درہم دینار بالفرض) میں چھوڑ بھی جاؤں تو وہ مال وقف علی المسلمین ہے، اور دوسرا یہ کہ میرے ترکہ میں درہم و دینار تقسیم نہ ہوں گے اور جو کچھ درہم زمین ہتھیار لباس وغیرہ میں چھوڑوں تو وہ سب وقف علی المسلمین ہے۔ حضرات سیدنا عباسؓ، سیدہ فاطمہؓ، سیدنا علیؓ اور بعض ازواج مطہراتؓ نے پہلا مطلب سمجھا کہ درہم و دینار تو وقف ہیں مگر زمینیں وقف نہیں تو وہ صرف دینار اور درہم متروکہ کو تو وقف اور نا قابل تقسیم سمجھتے تھے مگر بقیہ اشیاء کو وقف نہیں سمجھتے تھے اور اسی کی تقسیم کا مطالبہ بھی کرتے تھے لیکن حضرات سیدنا ابوبکرؓ، عمرؓ اور سیدہ عائشہؓ نے دوسرا مطلب سمجھا تھا تو وہ ہر متروکہ چیز خواہ درہم و دینار خواہ زمینیں سب کو وقف علی المسلمین اور نا قابل تقسیم سمجھتے تھے چنانچہ چند ازواجؓ مطہرات نے بھی حضرت سیدنا عثمانؓ کو واسطہ بنا کر اپنے اپنے حصہ کی میراث کے مطالبہ کے لئے حضرت ابوبکرؓ کے پاس بھیجنا چاہا تھا مگر سیدہ عائشہؓ نے ارشاد نبوی کا صحیح مطلب سمجھا کر انھیں مطالبہ سے روک دیا۔ (بخاری ص ۹۹۶) (۷) دشمنان صحابہؓ نے ان زمینوں کے ترکہ کا قصہ اور ابوبکرؓ کا حصہ نہ دینا کچھ اس طرح آج تک اچھال رکھا ہے کہ بہتیرے اہلسنت (علماء و عوام دونوں) حضرت ابوبکرؓ کو ظالم اور غاصب سمجھ رہے ہیں حالانکہ اس کا صحیح قصہ یہ ہے کہ (فدک و خیبر) کی ان زمینوں کی آمدنیوں کو جس طرح جس جس مد میں حضورؐ خود کام میں لاتے اور صرف فرماتے تھے ٹھیک انھیں مدوں میں اسی طرح حضرت ابوبکرؓ بھی کام میں لاتے تھے۔ حضرت علیؓ و فاطمہؓ کے اجتہاد میں چونکہ اس میں تقسیم ہونی چاہئے تھی اس لئے حضرت فاطمہؓ کے دوبار مطالبہ کے بعد خود سیدنا علیؓ نے بھی حضرت فاطمہؓ کے حصہ کا اور سیدنا عباسؓ نے اپنے حصہ کا مطالبہ ابوبکرؓ سے کیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان کو اپنا نقطۂ نظر بتا کر حصہ دینے سے انکار فرمایا۔ پھر جب حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو حضرت علیؓ و عباسؓ نے سوچا کہ شاید حضرت عمر کے اجتہاد میں فدک وغیرہ کی زمینیں میراث میں تقسیم ہو سکیں لاؤ ان کے سامنے بھی طلب میراث کر لیں مگر حضرت عمرؓ نے بھی ان زمینوں کو وقف اور نا قابل تقسیم سمجھا اس لئے انھوں نے بھی میراث دینے سے انکار کر دیا۔ یہاں یہ بات پھر خوب سمجھ لینی چاہئے کہ ان دونوں بزرگوں کا یہ بار بار کا مطالبہ

میراث خدانخواستہ ''طمعِ مال وحب دنیا'' کی بناء پر نہ تھا بلکہ انکے اجتہاد میں یہ تھا کہ ان زمینوں کی آمدنیاں میراث میں تقسیم ہوسکتی ہیں اسلئے دیانتداری سے یہ اسے حق شرعی سمجھ کر مطالبہ کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ تقسیم پر جو (ان کے اجتہاد میں) شرعی حکم تھا خلیفہ عمل درآمد کریں۔ (یعنی اگر بالفرض یہی حضرات خود پہلے خلیفہ رسول ہوسکتے تو یقیناً ان زمینوں کو میراث میں تقسیم کرتے اور اس پر ان سے خدا کے یہاں مواخذہ نہ ہوتا) حضرت عمرؓ نے دو برس تک تو ان زمینوں کا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھا اور اس میں سے ٹھیک انہی مدوں میں خرچ فرماتے جن میں خود حضورؐ اور ابوبکرؓ خرچ کرتے رہے تھے لیکن دو برس کے بعد حضرت عمرؓ نے اس کا انتظام خود کرنے کے بجائے حضرات عباسؓ وعلیؓ ہی کو ان کا متولی بنادیا اور ان کو بتادیا کہ ان کی آمدنیوں کا خرچ دستور نبوی ہی کے مطابق کرتے رہیئے۔ مگر دونوں کے مزاجوں میں فرق تھا حضرت عباسؓ منتظم کفایت شعار تھے اور حضرت علیؓ زرِ اخراج اور سخی تھے۔ حضرت عباسؓ چاہتے تھے کہ ہر ہر مد میں کچھ رقم پس انداز ہی رہا کرے۔ مگر حضرت علیؓ پس انداز کرنے کے خلاف تھے اس کی ساری آمدنی کو مختلف مدات میں خرچ کرڈالتے تھے اس وجہ سے دونوں میں کبھی کبھی جھگڑا بھی ہوجاتا تھا۔ ایک دن یہ دونوں حضرات لڑتے ہوئے حضرت عمرؓ کے پاس آئے کہ ہم دونوں کے اختلاف کا فیصلہ اس طرح کردیجئے کہ زیرتولیت زمین کو دو حصوں میں تقسیم کرکے ایک ایک حصہ کی تولیت دونوں کو الگ الگ دے دیجئے۔ حضرت عمرؓ کی نظر اس تجویز کے آئندہ نتائج پر پہنچی اور آپ نے ایسا کرنے سے انکار کردیا۔ اور ان سے صاف کہہ دیا کہ اگر آپ دونوں سے اس کا انتظام نہ ہوسکتا ہو تو مجھے واپس دے دیجئے۔ میں اب بھی اسی طرح انتظام کردوں گا جس طرح اپنی خلافت کے پہلے دو سال میں کرتا رہا یعنی حضرت عمرؓ نے سوچا کہ آج تو میں تولیت میں سہولت کے لئے اس کو دو حصوں میں تقسیم کردوں مگر چونکہ اتفاق سے میراث میں تقسیم ان کے شرعی حصہ کی اسی طرح ہوتی کہ نصف حضرت عباسؓ کو اور نصف سیدہ فاطمہؓ کو۔ (جس کا انتظام حضرت علیؓ ہی کرتے) تو کچھ دنوں بعد یہی سمجھا جانے لگے گا کہ حضرت عمرؓ نے ہی ان دونوں میں حصہ شرعی کے مطابق اسے تقسیم کیا ہے۔ اور میراث کے اصول پر تقسیم کیا ہے۔ اس لئے ایک دو پشت کے بعد تولیت ختم ہوکر وہ سیدھے سیدھے ''ملکیت'' بن جائے گی آخر دوسرے صحابہؓ نے دونوں کو سمجھا بجھا کر راضی کیا کہ آئندہ

جھگڑا نہ کرے اور وہ زمینیں انہیں دونوں کی تولیت میں رہیں۔ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں کہیں جا کر حضرات عباسؓ و علیؓ نے اپنے اپنے اس اجتہاد سے رجوع کر لیا کہ ''ان زمینوں میں ترکہ تقسیم ہونا چاہئے''۔ یہ سیدنا عمرؓ کا حسن تربیت تھا کہ ان زمینوں کا انتظام انہیں دونوں سے کرا کر ایک طرف ان کو اس کام کی (جو آئندہ چل کر اپنی خلافت میں حضرت علیؓ کو کرنا پڑتا) ٹریننگ دے دی دوسری طرف انہی سے کام لے کر ان کی فہم کھول دی اور ایسی بصیرت پیدا کر دی کہ ان کو ان کا وقف ہونا متیقن ہو گیا۔ بہرحال عہد عثمانی میں حضرت عباسؓ نے تولیت سے اپنی معذوری ظاہر کر دی۔ تو سیدنا عثمانؓ نے وہ کل زمینیں تنہا سیدنا علیؓ کے انتظام میں کر دیں چنانچہ سیدنا علیؓ کے عہد خلافت تک وہ تنہا انہیں کے زیر تولیت رہیں۔ پھر سیدنا حسن و سیدنا معاویہؓ کے عہد خلافت میں ان کا انتظام سیدنا حسنؓ بطور متولی کے کرتے رہے۔ پھر سیدنا حسینؓ کے زیر انتظام رہیں اور عہد یزید تک رہیں۔ پھر سیدنا حسینؓ کے بعد سیدنا علیؓ (زین العابدین) کے زیر انتظام رہیں۔ (خصائل نبوی ص ۲۵۵ بہ تغیر یسیر) پھر یزید کے بعد ملوک بنی امیہ کے زمانوں میں یہ انتظام درہم برہم ہو گیا۔ انہوں نے اس وقت کی آمدنی عام شاہی خزانے میں داخل کر دیں اور شاہی خزانہ ان بادشاہوں کا ذاتی خزانہ بن کر رہ گیا۔ (۸) دشمنانِ صحابہؓ نے حدیث بخاری کے ان الفاظ (حضرت ابوبکرؓ کی باتوں سے سیدہ فاطمہؓ کے دل پر ''کچھ'' اثر ہوا اور وہ مرتے دم تک ابوبکرؓ سے نہیں بولیں) کا مطلب یہ نکالا اور اسے خوب خوب پھیلایا کہ ''سیدہ زہرہؓ بطور خفگی و ناراضگی کی وجہ سے'' ابوبکرؓ سے نہیں بولیں اب کم علم اور کج فہم سنی بھی یہی مطلب سمجھتے چلے آتے ہیں۔ اور اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو خود سیدنا ابوبکرؓ کی طرف سے وہ کچھ کدورت [1] بھی اپنے دلوں میں رکھتے ہیں۔ انا للہ! حالانکہ اس کا صحیح مطلب عالموں نے یہ لکھا ہے:۔

(الف) سیدہ فاطمہؓ نے صدیق اکبرؓ جیسے سچے شخص سے ارشاد نبوی اور مسئلہ شرعی سن کر (کچھ اثر) باہر شرمندگی کا اور اپنی لاعلمی پر افسوس کا لیا آخری لمحات حیات پر پھر ''اس مسئلہ

---

[1] ڈپٹی نذیر احمد دہلوی شمس العلمائی کے باوجود لکھتے ہیں کہ ابوبکرؓ اگر اپنے محترم رسول ﷺ کی چہیتی بیٹی کا حق مان لیتے اور میراث دیدیتے تو اس میں انکا حرج ہی کیا تھا؟ اللہ اکبر ع جادو وہ سر پہ چڑھ کے بولے گویا ابوبکر کا دین اور عقل نذیر احمد کے دین و عقل سے کم تھا!

میں ابوبکرؓ سے کچھ نہیں بولیں''۔ گویا ابوبکرؓ کے انکار سے سیدہ فاطمہؓ نے اپنے اجتہاد سے رجوع نہیں کیا۔ جس طرح حضرت علیؓ نے عہد عثانی سے قبل رجوع نہیں کیا تھا۔

(ب) سیدہ فاطمہؓ چونکہ بہت باحیا تھیں اسلئے ابوبکرؓ کے دربار خلافت میں ایک دوبار توضرور تا گئیں لیکن بار بار نامحرم کے پاس مقدمہ لے جانے میں ان کے قلب پر کچھ اثر گرانی کا ہونے لگا۔ (ج) احقر ان علماء کی ہی برکت سے ان جوابوں میں اتنا اور اضافہ کرتا ہے کہ سیدہ فاطمہؓ ایک یا دوبار تو طلبِ میراث میں ابوبکرؓ کے پاس گئیں۔ مگر جب انہوں نے دیکھا کہ والدؐ محترم کی وارث ایک میں ہی اکیلی تو نہیں ازواجِ مطہرات اُمّہات المومنین بھی تو شرعی وارث ہیں تو انھوں نے ایک بار بھی طلب میراث میں زبان نہ کھولی تو اس صورت میں میرا یہ ایک یا دو بار بھی جانا بھی قناعت وصبر کے خلاف اور حرص وطمع کا موہم ہے، نیز افسوس ہے کہ مجھے یہ حدیث معلوم نہ تھی۔ اسلئے ان کے نازک قلب پر ابوبکرؓ کا جواب ہی سننے کے بعد اثر خجالت کا پڑا کہ ان کے سامنے کیسے جائیں۔

غرض سیدہ فاطمہؓ کا ابوبکرؓ سے مرتے دم تک پھر کچھ نہ کہنا دراصل تھا تو ان کی طبعی حیا۔ جبلی قناعت، اتفاقی خجالت اور فطری غیرت کی بناپر، مگر دشمنانِ صحابہؓ کہتے ہیں کہ جی نہیں وہ ابوبکرؓ سے ناراض ہوگئیں شاید دشمنان عقل کی سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ اگر ان کا مطلب مان لیا جائے تو پھر یہ باتیں بھی ضمناً ماننی پڑیں گی۔

(الف) سیدہ فاطمہؓ مال کی حریص اور صبر سے بے بہرہ تھیں کہ ابوبکرؓ نے اگر جھوٹی حدیث بتا کر اپنی عاقبت خراب کرلی تھی تو یہ اسے خدا کے حوالے کر کے صبر وشکر سے نہیں رہ سکتی تھیں۔

(ب) فاطمہؓ اتنی خود غرض اور بے انصاف تھیں کہ ابوبکرؓ نے اگر ازواج رسولؐ کو شرعی میراث سے محروم کیا تب تو گویا ٹھیک کیا اس پر نہ خوش نہیں ہوئیں لیکن جب خود فاطمہؓ کو میراث شرعی نہ دی تو یہ بڑا جرم کیا اس پر وہ ناخوش ہوگئیں۔

(ج) ابوبکرؓ اپنے محترم نبیؐ کی محبت محض ریاکاری سے کرتے تھے کہ ان کے انتقال کے بعد ان کی صاحبزادی کو ان کا جائز حق نہ دیا۔

(د) تمام صحابہؓ رسولؐ (نعوذ باللہ) بھی ابوبکرؓ کے ساتھ سازش کر کے بنت رسولؐ کو جائز حق

سے محروم کرنے میں شریک رہے اور کسی ایک نے بھی محبت رسول کا پاس نہ کیا کہ ابو بکرؓ کے خلاف زبان کھولتا اور اس ناانصافی پر ابو بکرؓ سے لڑ جاتا۔

(۵) سیدہ فاطمہؓ کو عفو ودرگزر کے خلق عالی سے بھی حصہ نہیں ملا تھا بلکہ وہ کینہ پرور تھیں کہ مرتے دم تک دل میں غصہ پالتی رہیں مگر معاف کر کے یا خدا کے حوالے کر کے دل کو صاف نہیں کر لیا۔ حالانکہ ان کے ادنیٰ خادم تک دل صاف کر لیتے ہیں۔ فنعوذ بالله من سوء الظن یابنة رسول الله صلی الله علیه وسلم۔

احقر کہتا ہے کہ اگر فاطمہؓ حضرات علیؓ و عباسؓ کی طرح بار بار بھی میراث پدر کا تقاضا کرتیں تب بھی ہم یہی تسلیم کرتے کہ وہ فاطمہؓ کا ایک اجتہاد تھا مگر یہ تو کبھی تسلیم ہی نہیں کر سکتے تھے کہ سیدہ فاطمہؓ جیسی باحیا، قانع، مومنہ کاملہ اور ابو بکرؓ جیسے سچے مومن کا دل اور افضل صحابہ شخص سے ارشاد رسول سنیں اور پھر بھی فدک وغیرہ کی آمدنی جیسی حطام دنیوی کے نہ ملنے پر دلی صدمہ اور قلبی غصہ لے کر دنیا سے جائیں۔ یہ سب خیالات دراصل دشمنان صحابہؓ کے ہیں انھیں کو پسند ہیں تو انھیں کو مبارک بھی رہیں۔ خدا سنیوں کو ان خیالات سے محفوظ رکھے۔

واقعہ (۳۰): ا۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جس روز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تھے اس دن تو مدینہ کی ہر چیز منور اور روشن معلوم ہوتی تھی، اور جس دن حضورؐ کی وفات ہوئی ہے اسی دن مدینہ کی ہر چیز تاریک ہوگئی۔ ہم لوگ حضورؐ کی وفات کے بعد مٹی سے ہاتھ جھاڑنے بھی نہیں پائے تھے کہ ہم نے اپنے قلوب میں تغیر پایا۔ (مشکوٰۃ باب وفات النبی عن الترمذی)

(۲) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضورؐ کے انتقال پر بہت سے صحابہ غمگین ہوئے اور بعضوں کو تو (نعوذ باللہ دین کے مٹنے تک کا) وسوسہ آنے لگا، میں بھی انھیں میں سے تھا۔ میں اسی حالت میں بیٹھا تھا کہ عمرؓ نے آکر شاید مجھے سلام کیا۔ مگر مجھے خبر بھی نہ ہوئی۔ ابو بکر سے جا کر شکایت کی اور پھر دونوں نے آکر مجھے سلام کیا ابو بکرؓ نے کہا تم نے اپنے بھائی عمرؓ کے سلام کا جواب کیوں نہیں دیا؟ میں نے کہا میں نے تو ایسا نہیں کیا۔ تو عمرؓ بولے، واہ بخدا! تم نے ابھی ایسا کیا ہے۔ میں نے کہا بخدا مجھے خبر تک نہیں کہ تم کب گزرے اور کب تم نے سلام کیا۔ اس پر ابو بکرؓ نے کہا، عثمانؓ سچ کہہ رہے ہیں وہ کسی بڑے اہم خیال میں غرق تھے۔ میں نے کہا ہاں،

ابوبکرؓ نے مجھ سے پوچھا کہ آج کس خیال میں غرق تھے؟ میں نے کہا اللہ نے اپنے نبی کو وفات دے دی قبل اس کے ہم آپ سے امروسوسہ سے نجات کی صورت دریافت کر سکتے۔ ابوبکرؓ بولے میں نے حضورؐ سے یہ بات پوچھ لی ہے میں نے جوان سے یہ سنا تو میں ان کی طرف لپکا اور میں نے کہا۔ ''میرے ماں باپ تم پر قربان۔'' تم ہی دراصل اس کے لئے موزوں تھے کہ اسے حضورؐ سے پوچھتے، ابوبکرؓ نے کہا میں نے پوچھا تھا کہ یارسول اللہ! وسوسہ سے بچنے کی کیا صورت ہے؟ آپ نے فرمایا جو شخص مجھ سے یہی کلمہ طیبہ لے لے جسے میں نے اپنے چچا ابوطالب پر پیش کیا اور انھوں نے اسے نہیں قبول کیا۔ تو یہی کلمہ وسوسے سے بھی نجات کا ذریعہ ہے۔''
(مشکوٰۃ ص ۱۶، کتاب الایمان)

تشریح:۔(۱) شیخ مربی کے سر سے اٹھ جانے پر مریدین کے قلوب کی کیفیات اور واردات میں تغیر اور کمی آنا لازم اور فطری امر ہے۔ یہی کیفیت حدیث اول میں حضرت انسؓ کی اور حدیث دوم میں حضرت عثمانؓ کو پیش آئی ایسے وقت میں لازم ہے کہ کسی دوسرے شیخ کامل سے ورنہ اپنے ہی کسی کامل پیر بھائی سے رجوع کرلے۔ (۲) ضرت عثمانؓ نے جب اپنی مشکل حضرت ابوبکرؓ سے بتائی اور انھیں محسوس ہو گیا کہ ابوبکرؓ ہی کے پاس دردِ دل کی دوا ہے تو پھر وہ انتہائی عشق وعقیدت سے وہی کلمہ بے اختیارانہ اپنے پیر بھائی کو بھی کہہ اٹھے جو اپنے سابق مربی باطنی اور شیخ روحانی حضور اقدس ﷺ کو کہا کرتے تھے یعنی بابی انت وامی، میرے ماں باپ تم پر سے قربان۔ یہ کلمہ ظاہر کرتا ہے کہ ابوبکرؓ کی تعلیم سے روحانی اور قلبی سکون پا کر کس طرح والہانہ فریفتگی کے ساتھ وہ ابوبکرؓ کو اپنا روحانی مربی ماننے لگے تھے۔ اس عہد میں بیعت خلفاء دراصل بیعت تو بیعت تربیت واصلاح وغیرہ سبھی قسموں کی بیعتوں کو شامل ہوتی تھی بیعت توبہ واصلاح الگ سے نہیں ہوتی تھی((۳) عام شہرت تو یہ ہے کہ تصوف کے تمام سلاسل سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر ختم ہوتے ہیں مگر یہ خیال ناواقفیت پر مبنی ہے بلکہ امام ابن تیمیہؒ کی ایک عبارت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیال سبائیہ کی وسوسہ اندازی ہے۔ شیعی عالم شیخ حلّی ابن مطہر نے لکھا تھا طریقت کا علم انھیں (حضرت علیؓ) کی طرف منسوب ہے کیونکہ صوفیہ خرقہ کی نسبت انھیں کی طرف کرتے ہیں اس کے جواب میں امام ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے خرقہ

وہیں ایک حضرت عمرؓ کا جس کی سند حضرت اویسؓ قرنی اور ابو مسلم خولانی تک پہونچی ہے اور دوسرا حضرت علیؓ کا جس کی سند حسن بصریؒ اور معروف کرخیؒ تک پہنچنے کے بعد منقطع ہوجاتی ہے۔ (اس کے بعد ایک طویل بحث کے ختم پر ہے کہا ہم کو خوب اچھی طرح معلوم ہے کہ صحابہؓ اپنے مرید کو خرقہ نہیں پہناتے تھے اور نہ ان کے بال کترتے تھے اور نہ ایسا کسی تابعی نے کیا بلکہ (تابعی مرید) لوگ صحابہؓ کی مجلس میں برابر بیٹھتے تھے اور انہی کے طریقے اور آداب سیکھتے رہتے تھے ہر جماعت اپنے اپنے شہروں میں رہنے والے صحابہؓ سے اخذ فیض کرتی تھی چنانچہ اہل مدینہ نے حضرت سیدنا عمر، ابی، زید اور ابوہریرہؓ سے اخذ فیض کیا۔ اور جب سیدنا علیؓ کوفہ تشریف لے گئے تو اس وقت تک وہاں کے لوگ حضرات سیدنا ابن مسعود۔ سعد اور عمارؓ۔ حذیفہؓ کے ذریعہ سے اپنے دین (حقیقی) میں ماہر و کامل ہو چکے تھے۔ اور اہل بصرہ نے حضرت سیدنا عمران بن حسینؓ۔ ابوموسیٰؓ۔ ابوبکرہؓ ابن مغفل اور بہت سے صحابہ کرامؓ سے طریق باطنی اخذ کیا۔ اور شام والوں نے دین (حقیقی اور طریق باطنی) حضرات سیدنا معاذؓ ابوعبیدہؓ۔ ابودرداءؓ۔ عبادہ بن صامتؓ۔ بلال رضی اللہ عنہم سے حاصل کیا۔ پھر تو کیسے کہتا ہے کہ اہل زہد و تصوف کا طریقہ حضرت علیؓ ہی سے ملتا ہے اور کسی سے ملتا نہیں......'' (ملخصاً منتقیٰ مصری ص ۵۰۵، ۵۰۶) یہ تحقیق تو ابن تیمیہ کی تھی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ تمام سلاسل حضرت صدیق اکبر ابوبکر رضی اللہ عنہ پر جا کر ملتے ہیں اور پھر آپ ہی کے توسط سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچتے ہیں اور اس تحقیق کو شاہ صاحب نے کئی جگہ پورے زور اور پورے تیقن سے بیان کیا ہے ہم ذیل میں ان کی چند عبارتیں نقل کرتے ہیں جن سے نظریۂ بالا متحقق ہوتا ہے۔

(الف)......حضرت صدیقؓ آنحضرت کے خلیفہ مطلق و نائب برحق تھے، ظاہر و باطن میں طریقۂ ذکر تعلم فرمایا......اور یہ پہلا واقعہ احیاء طریقہ صوفیاء کرام کا ہے جو خلیفہ اول رضی اللہ عنہ وارضاہ سے ظہور میں آیا۔ اس کے بعد حضرت علیؓ نے حضرت صدیق سے صلوۃ استغفار اخذ کی اور اس پر اعتناء فرمایا (ترجمہ ازالۃ الخفا مقصد دوم مطبوعہ پاکستان ص ۵۵)

(ب) مثالاً ہم عرض کرتے ہیں کہ اہل شام و اہل مصر حضرت علیؓ مرتضیٰ سے روابط نہیں

رکھتے باوجود اس کے زہدیات اور علم سلوک ان میں بدرجہ اتم پایا جاتا ہے تو معلوم ہوا کہ ان علوم کی تبلیغ حضرت علیؓ سے پہلے کسی اور نے کی ہے۔ فتامل (ایضاً ص ۱۹)

(ج) اسی ازالۃ الخفا، مقصد دوم ص ۳۴۷ پر شاہ صاحبؒ نے سیدنا فاروق اعظم عمر رضی اللہ عنہ سے بھی ایک سلسلہ روحانی کا نکلنا بتایا ہے وہ یہ ہے ''سیدنا عمرؓ۔ سیدنا عبداللہ ابن مسعودؓ۔ علقمہ بن قیسؒ۔ ابراہیم نخعیؒ۔ سفیان ثوریؒ۔ ابراہیم بن ادہم بلخی تا بہ بعد''۔

(د) ''اور حضرت جعفر صادقؒ نے باوجود اپنے آباء کرام کے وراثتی انوار کے اپنے نانا قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہم سے سلوک حاصل کیا وہ (مدینہ کے) تابعین میں ہیں۔ سات ممتاز فقہا میں سے ہیں۔ علم ظاہر و باطن میں کامل تر لوگوں میں ہیں ان کو نسبت (حاصل) ہے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ باوجود شرف صحبت رسولؐ پانے کے طریق کو حضرت صدیقؓ سے حاصل کیا اور حضرت صدیقؓ نے حضورؐ سے حاصل کیا۔ انتہی (ترجمہ الانتباہ ص ۳۵)

(ہ)...... معروف کرخیؒ بہت سے شیوخ کی صحبت میں رہے ان میں دو بہت بزرگ ہیں۔ ایک علی امام[1] رضاؒ ہیں وہ صحبت میں رہے اپنے والد حضرت موسیٰ کی اور وہ اپنے والد حضرت جعفر صادقؒ کی اور وہ اپنے والد حضرت باقرؒ اور وہ اپنے والد حضرت زین العابدینؒ کی اور وہ اپنے والد حضرت سیدنا حسینؓ کی اور وہ اپنے والد حضرت علیؓ کی اور وہ حضرت سیدنا و مولانا سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے اور دوسرے حضرت داؤد طائیؒ ہیں وہ صحبت میں رہے حضرت حبیب عجمیؒ کی اور وہ حضرت حسن بصریؒ کی اور حسن بصریؒ بہت سے اصحاب رسولؐ کی صحبت میں رہے جن میں ایک حضرت سیدنا انسؓ تھے۔ جو آنحضرت کے خادم اور آپ کی سنت کے حافظ تھے۔ (انتباہ ص ۱۲)

---

[1] شاہ صاحبؒ سے یہ امر عجیب ہے کہ حضورؐ کی ذریت طاہرہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ لفظ امام برابر لکھا ہے حالانکہ شروع کتاب میں صفحہ ۵۴ پر لکھا ہے ''مذہب ایں جماعت باطل است و بطلان مذہب ایشاں از تامل در تعریف امام کہ ایشاں مقرر کردہ اند ظاہر خواہد شد'' یہ قوی قرینہ ہے کہ یہ لفظ مطبع والوں نے اضافہ کر دیا ہے اس لئے کہ مطابع کے کاتب اکثر روافض ہوتے ہیں ان کو ایسا تصرف کر دینا بہت آسان ہے۔ اکثر کتابوں میں تحریف و تصحیف کی اصل وجہ یہی ہے۔

(و) حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب (والد شاہ ولی اللہ صاحب محدث) اپنی کتاب ''ارشاد رحیمیہ میں لکھتے ہیں حضرت خواجہ محمد پارساؒ رسالہ قدسیہ میں لکھا ہے کہ محققین صوفیا کے اعتقاد یہ ہے کہ امیر المومنین حضرت علیؓ نے حضورؐ کے بعد ان خلفاء سے جو حضرت علیؓ سے قبل گزر چکے تھے نسبت باطنی کی تربیت پائی ہے''۔ (انتہاص ٦)

ان عبارات سے حسب ذیل باتیں واضح ہوتی ہیں:۔

(ا) حضرت صدیق اکبرؓ (خلیفہ اول ہونے کے ساتھ ساتھ) سلوک میں بھی حضورؐ کے نائب مطلق تھے۔ صوفیاء کرام کا طریقہ انہی سے چلا ہے۔ حضرت علیؓ نے ان سے نماز استغفار (غالباً نماز توبہ جو سلوک میں اہم چیز ہے) سیکھی ہے۔ (۲) حضرت علیؓ سے قبل بھی صحابہؓ سے (خصوصاً خلفائے ثلاثہ سے) زہد و سلوک کی تبلیغ و اشاعت ہوئی ہے جس کا اثر مصر شام میں پایا جاتا ہے۔ بہ الفاظ دیگر خلفاء ثلاثہ کے سلاسل ہندوستان کے باہر کے بعض ممالک میں چلے۔ (ابن تیمیہ کے الفاظ میں اوپر مفصل میں آ چکا ہے) (۳) عبارت ثلاثہ میں ایک سلسلہ سیدنا عمرؓ سے اور عبارت رابعہ میں ایک کا سیدنا سلمانؓ سے اور عبارت خامسہ میں ایک کا سیدنا انسؓ سے چلنا معلوم ہوتا ہے۔ (۴) سیدنا علیؓ سے اپنے سے قبل تینوں ہی خلفاء سے یکے بعد دیگرے روحانی فیوض حاصل کیے۔ (عبارت سادسہ دیکھئے)

ان عبارتوں پر غور کرنے سے اس شہرت عام کا (کہ تمام سلاسل سیدنا علیؓ پر منتہی ہوتے ہیں) صاف مطلب سمجھ میں یہ آتا ہے کہ خلفاء ثلاثہؓ سے چلنے والے سلسلہ بھی حضرت علیؓ کی وساطت سے نیچے تابعین تک آسکے۔ اور تبع تابعین وتابعین کا۔۔۔ جو اوپر خلفائے ثلاثہ تک اور ان کے اوپر حضورؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے وہ بھی حضرت علی ہی کے توسط سے پہنچ سکتا ہے۔ پس اگر دوسرے صحابہؓ سے براہ راست بھی کوئی سلسلہ حضور تک پہونچا ہو تو گو ناممکن اور غلط وہ بھی نہیں ہے مگر اول تو ایسے سلاسل کی تعداد زیادہ نہ ہوگی۔ دوسرے وہ سلسلے بھلا اس سلسلۃ الذہب (کہ بالفاظ صوفیہ) س الحسنؒ البصری صحب علیاًؓ صحب عثمانؓ صحب عمرؓ صحب ابوبکر الصدیقؓ صحب النبی صلی اللہ علی وسلم یا بہ الفاظ محدثین عن الحسن البصریؒ عن علیؓ عن عثمانؓ عن عمرؓ عن ابی بکرؓ عن النبی صلی

اللہ علیہ وسلم کے برابر کہاں ہو سکتے ہیں اس لئے وہ سب ہی نظر انداز کئے جانے کے قابل ہیں اور یہی کہنا صحیح ہے کہ تمام سلاسل حضرت علیؓ پر منتہی ہوتے اور انھیں کے توسط سے اوپر نیچے چلتے ہیں۔

نکتہ علمی:۔ جن لوگوں نے اپنی حدیث باطنی (سلوک وتصوف) کی سند کسی دوسرے صحابی تک پہونچانے کے بعد درمیان سے خلفاء ثلاثہ کے وسائط حذف کر کے یکا یک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچا دیا ہے تو گو صحیح وہ بھی ہے اور ایک علمی مسلم قاعدے ماتحت ہی ہے جس کا نام محدثین کے یہاں "سند کا عالی بنانا" ہے۔ مگر خوب یاد رہے کہ اس کی اصل صورت بھی وہی ہے کہ کل واسطے تسلیم ضرور کئے جائیں۔ محدثین نے تحویلات روایت کا قاعدہ نکالا ہی اسی لئے ہے ایسے موقعوں پر محض سند عالی کے ذکر پر اکتفا نہیں کر لیا ہے بلکہ قلیل الوسائط اور کثیر الوسائط دونوں ہی طرق کا ذکر کرنا برابر ضروری سمجھا ہے پس گو سند کو عالی بنانے کی ضرورت سے بعض وسائط کا حذف جائز ہو مگر علمی، تاریخی، تحقیق ضرورتوں سے لازم ہے کہ خلفاء ثلاثہ کے اسماء مبارکہ کو بھی شجروں میں شامل ضرور کیا جائے۔

خیر یہ گفتگو تو علمی اور تحقیقی تھی مگر میں ذوق ووجدان کی حیثیت سے بھی اور نفسیاتی حیثیت سے بھی اہل انصاف سے ذرا دریافت کیا چاہتا ہوں کہ اگر ان کے سامنے یہ دو سندیں دوں۔ (اول الحسن البصریؒ عن علیؓ عن النبیﷺ اور دوم الحسن البصریؒ عن علیؓ عن عثمانؓ عن عمرؓ عن ابی بکرؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم) تو کون سا ان کو زیادہ پر زور زیادہ پر تاثیر زیادہ پر ایمان محسوس ہوتا ہے؟ اب اس کا فیصلہ انھیں کے ذوق پر چھوڑتا ہوں میں صحیح تو دونوں سمجھتا ہوں مگر مجھے خوف چونکہ دوسرا طریق (جس میں خلفاء اربعہ کے اسماء مبارکہ ہیں اور جو اصل سلسلۃ الذہب کہے جانے کا مستحق ہے) زیادہ پسند ہے اس لئے میں نے تو اپنے پاس کے شجرہ میں آخر میں یہ دو شعر یوں اضافہ کر لئے ہیں۔

شہ فضیلؒ وعبدواحد: ، شہ حسن، حضرت علیؓ
شاہ عثمانؓ وعمرؓ ابوبکرؓ، راس المتقین

هب لنا برکات نسبتهم الی فخر الرسل

صل یارب علیه وعلیهم اجمعین

سلاسل اولیاء کا آغاز ۱۳ھ میں ہو چکا تھا چنانچہ سب سے پہلے

(۱) سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے دو سلسلے چلے (الف) ابوبکرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ۔ علیؓ۔ حسن بصریؒ عبد واحد۔ (دیکھو عبارت سادسہ) (ب) ابوبکر۔ سلمان (وفات ۳۵ھ) فقیہہ قاسم بن محمد (ولادت ۳۰ھ) جعفر صادق رضی اللہ عنہم (دیکھو عبارت رابعہ)

(۲) حضرت سیدنا عمر فاروقؓ سے بھی دو سلسلے چلے۔ (الف) عمرؓ۔ عثمانؓ۔ علیؓ۔ حسن بصریؒ عبدالواحدؒ الخ (عبارت سادسہ) (ب) عمرؓ۔ عبداللہ ابن مسعودؓ۔ علقمہ بن قیسؒ۔ ابراہیم نخعیؒ۔ سفیان ثوریؒ۔ ابراہیم بن اوہم الخ رضی اللہ عنہم (عبارت ثالثہ)

(۳) حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے ایک سلسلہ چلا عثمان۔ علی۔ حسن بصری۔ عبدالواحد رضی اللہ عنہم (عبارت سادسہ)

(۴) حضرت سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ بھی دو سلسلے چلے (الف) حسن بصری عبدالواحد رضی اللہ عنہم (جیسا سلسلہ چشتیہ میں معروف ہے) (ب) علی حسین۔ علی محمد باقر۔ جعفر صادق۔ موسیٰ۔ علی۔ معروف کرخی الخ رضی اللہ عنہم (دیکھو عبارت خامسہ)

(۵) انسؓ۔ حسن بصری۔ عبدالواحد الخ رضی اللہ عنہم

۶ تا ۲۴۔ ان اٹھارہ صحابہؓ سے بھی سلاسل چلے جس کا ذکر امام بن تیمیہؒ نے کیا ہے۔

۲۵۔ ان کے بعد حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ سے بھی دو سلسلے چلے

(الف) حسن بصری۔ عبدالواحد رضی اللہ عنہم (سلسلہ چشتیہ میں معروف ہے)

(ب) حسن بصریؒ۔ حبیب عجمیؒ۔ داؤد طائیؒ

☆☆☆

ا۔ جس طرح سیدنا حسینؓ کی صحابیت اور فیضان صحبت بعمرہ سال ثابت و معتبر ہے اسی طرح حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہم کی تابعیت بھی اور حضرت سلمانؓ سے فیض صحبت بھی بعمرہ سال ثابت و معتبر ہونا چاہئے۔